یا محمد انی توجہت بک الیٰ ربی فی حاجتی

الحدیث

ذاتِ مصطفیٰ کا وسیلہ شرک نہیں

امام علامہ محمد زاہد الکوثری المصری

فضیلۃ الشیخ محمد بن علوی المالکی

حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری

مکتبہ جمالِ کرم
9۔ مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور
Ph:042-7324948

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... ذاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ شرک نہیں

مصنف .... امام علامہ محمد زاہد الکوثری المصری رحمۃ اللہ علیہ
فضیلۃ الشیخ السید محمد بن علوی مالکی دامت برکاتہم العالیہ
حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ

تاریخ اشاعت 2004ء

تعداد .... گیارہ سو

زیرِ اہتمام .... ایم احسان الحق صدیقی

ناشر .... مکتبہ جمال کرم لاہور

قیمت .... [redacted] روپے

ملنے کے پتے

- ضیاء القرآن پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز 14 انفال پلازہ، اردو بازار کراچی
- فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور
- احمد بک کارپوریشن عالم پلازہ کمیٹی چوک، راولپنڈی
- مکتبہ المجاہد دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ

''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنی بارگاہ میں وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ اعمال کی صورت میں ہو یا ذوات کی صورت میں۔ خود رسالت مآب ﷺ نے بھی امت کو اس کی تعلیم دی۔ اس حوالے سے حدیث ضریر (نابینا صحابی والی روایت) معروف ہے جس میں آپ ﷺ نے انہیں اپنی ذات اقدس کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بنانے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک تمام امت انبیاء وصلحاء خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس کو وسیلہ بناتے چلے آرہے ہیں۔

کچھ اہل بدعت نے اس دور میں یہ ظلم کیا کہ اس عمل کو شرک و بدعت کا درجہ دے دیا ہے مثلاً شیخ زینو نجدی کی کتاب کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے اس میں وسیلہ ممنوع کے عنوان کے تحت لکھا ''اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے مقام یا جاہ کا وسیلہ ہرگز جائز نہیں ہے''' مثلاً یوں کہا جائے کہ اے اللہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے طفیل شفا عنایت فرما ایسا کہنا بدعت ہے کیونکہ صحابہ کرام نے ایسا نہیں کہا'' (اصلاح عقیدہ ص ۴۲ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

بلکہ اس مسئلہ کی وجہ سے ان لوگوں نے شارح بخاری امام حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے سینکڑوں ائمہ امت کو گمراہ قرار دیا ہے کس قدر دکھ کی

بات ہے امت کے تمام محدثین، مفسرین، صوفیاء اور اہل علم ذات نبوی ﷺ کو وسیلہ بناتے ہیں اور یہ چند اہل بدعت اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔

اس بدعقیدگی اور جہالت کے ازالہ کے لیے متعدد اہل علم نے لکھا، عالم اسلام کے عظیم محدث، شیخ عبداللہ صدیق غماری رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث ضریر پر مکمل کتاب لکھی جس کا ترجمہ ''کیا حضور ﷺ نے صحابہ کو وسیلہ کی تعلیم دی؟'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اسی طرح موصوف کے عظیم شاگرد شیخ محمود سعید ممدوح نے احادیث وسیلہ کو جمع کیا اور ان پر اہل بدعت کی طرف سے وارد کردہ اعتراضات کے کامل جوابات دیئے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی ''احادیث توسل پر اعتراضات کا علمی محاکمہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اسی موضوع پر عظیم محقق امام زاہد الکوثری رحمتہ اللہ علیہ نے ''محق التقول فی مسئلة التوسل'' لکھا جس کا ترجمہ مجمع العلمی الاسلامی مبارکپور نے کروا کر شائع کیا اس کے ساتھ ساتھ حجاز مقدس کے عظیم عالم دین فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی دامت برکاتہم العالیہ (مالکی صاحب کے مقالے کا ترجمہ انڈیا کے مشہور عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے کیا ہے) اور محسن اہلسنّت حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ نے بھی مسئلہ توسل پر لکھا اللہ تعالیٰ ''مکتبہ جمال کرم'' کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے جنہوں نے اس اہم موضوع پر تین اہم مقالات کو یکجا کر کے شائع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ذات مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے اس خدمت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

خادم اسلام

مفتی محمد خان قادری

''مرکز تحقیقات اسلامیہ''

شادمان لاہور

وسیلہ

دلائل کی روشنی میں

علامہ امام محمد زاہد الکوثری المصری رحمتہ اللہ علیہ

وسیلہ
دلائل کی روشنی میں

علامہ محمد زاہد الکوثری ماضی قریب کی وہ عظیم شخصیت ہیں جو محض اخلاص کی بنیاد پر دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ سلف صالحین کی ایک ایسی یادگار تھے جنہوں نے علم دین کو کبھی ذریعہ معاش نہ بنایا، بلکہ یہی علم دین ان کا اصل مقصد حیات رہا اور اس سے اعلیٰ مقصد اور کیا ہوسکتا ہے۔

۱۲۹۶ھ میں ترکی کے مشہور شہر آستانہ میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ترکی الاصل ہوتے ہوئے بھی آپ کی تمام تر علمی سرگرمیاں عربی زبان میں ظہور پذیر ہوئیں...... ۲۸ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اس کے بعد ہی تدریس کا سلسلہ شروع کردیا اور بہت جلد میدان تدریس کے ایک ممتاز شہسوار کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ ترکی حکومت کے امور دینیہ کے صدر مقرر ہوئے اور اس منصب کی عظیم ذمہ داریوں کو ایک مدت تک انجام دیا۔

پھر ترکی سے مصر کی طرف ہجرت کی، مصر سے شام اور پھر شام سے قاہرہ واپس آگئے۔ اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ ترکی، شام اور مصر میں جہاں بھی آپ کا قیام رہا آپ طلبہ اور خلائق کے مرجع رہے۔ قاہرہ یونیورسٹی کے ''کلیۃ الحقوق'' کی طرف سے استاذ کے منصب کے لیے آپ کو پیش کش ہوئی مگر آپ نے اپنی ناتوانی اور ضعف کے باعث قبول نہ فرمایا۔ اسی کلیہ کے ایک عظیم استاذ ''محمد ابوزہرہ'' علامہ محمد زاہد الکوثری کی علمی شخصیت سے بے پناہ متاثر تھے۔ استاذ ابوزہرہ نے اپنی ایک تعارفی تحریر میں علامہ محمد زاہد الکوثری کو ۱۲ مقامات پر ''امام'' سے یاد کیا ہے اور ایک مقام پر

تو ان کو "مجدد" بھی لکھا ہے۔

۱۳۷۱ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ متعدد علمی اور تحقیقی یادگاریں چھوڑیں۔ "مُحِقُّ التَّقَوُّلِ فِی مَسْئَلَۃِ التَّوَسُّلِ" حضرت علامہ کوثری کا وہ بے نظیر رسالہ ہے جس میں پرزور دلائل کے ساتھ وسیلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ اسے ایک عرب عالم شیخ محمد رشید نے ادارہ المجمع الاسلامی کو پیش کی اور ساتھ ہی اس کے ترجمہ کی فرمائش کی۔

اس موضوع پر ایک ایسے عالم کی تحقیق جس کی خدمات کا دائرہ کئی ملکوں پر پھیلا ہوا ہو اور جو علمی دنیا میں سند کی حیثیت رکھتا ہو ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی علمی افادیت کی حامل ہوگی۔ اسی مقصد کے پیش نظر یہ تحقیق پیش کی جا رہی ہے۔

(ادارہ المجمع الاسلامی مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَصَلٰوتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ o

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جو سارے مسلمانوں کو اس جرم میں کافر قرار دیتا ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور بزرگوں کا وسیلہ لاتے ہیں۔

اس طرح گویا جمہور مسلمین بت پرستی کا شکار ہیں۔ (معاذ اللہ) اس لیے میں نے مناسب خیال کیا کہ وسیلہ کے بارے میں ائمہ اسلام کی رائے پیش کروں کیونکہ انہیں حضرات کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ توحید' شرک اور بت پرستی کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکیں اور ہر ایک کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے دکھاویں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق کتاب وسنت کے دلائل پیش کر دیئے جائیں اس طرح یہ مختصر رسالہ تیار ہو گیا جسے "مُحِقُّ التَّقَوُّلِ فِیْ مَسْئَلَۃِ التَّوَسُّلِ" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ہم گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ وسیلہ کے بارے میں ایک طبقہ کا مزاج یہ ہے کہ اس کو وہ اتنا بڑا جرم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کے سبب مشرک قرار دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اس طبقہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ حد درجہ لچر اور کمزور ہیں۔ اس کے برعکس وسیلہ کے حق ہونے کے جو دلائل ہیں وہ نہایت روشن اور واضح ہیں۔

ان لوگوں کی باتوں میں سچائی کہاں سے ہو سکتی ہے' ان کے خلاف کتاب وسنت کے بھی دلائل ہیں' عقلی دلیلیں بھی اور امت کا متوارث عمل بھی۔

کتاب اللہ:

قرآن کہتا ہے:

وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (مائدہ:۳۵) خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ شخصیتوں کا بھی ہو سکتا ہے اور عمل صالح کا بھی اور لفظ وسیلہ اپنے عموم کے باعث دونوں کو شامل ہے' بلکہ شریعت میں اس سے شخصیتوں ہی کا وسیلہ پہلے سمجھ میں آتا ہے پھر اس سلسلے میں یہ کہنا کہ صرف زندہ شخصیت کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے' یہ اس کا عقیدہ ہو سکتا ہے جس کا خیال ہو کہ

روحیں جسموں سے جدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حشر ونشر بھی کوئی چیز نہیں اور روحوں کے جسموں سے جدا ہو جانے کے بعد ان کے احساسات وادراکات بھی فنا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات شرعی دلیلوں کے سراسر خلاف ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ آیت مذکورہ میں لفظ وسیلہ شخصیتوں سے وسیلہ لینے کو بھی شامل ہے' یہ محض کسی عامی کی رائے نہیں اور نہ ہی ایسا ہے کہ صرف وسیلہ کے لغوی عموم سے اسے اخذ کر لیا گیا ہے بلکہ یہ معنی حضرت فاروق اعظمؓ سے بھی منقول ہے۔ بارش کے لیے دعا میں حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا وسیلہ لیا اور یہ الفاظ استعمال کیے۔

هٰذَا وَاللّٰهِ اَلْوَسِيْلَةُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بخدا! یہ عباسؓ کے حضور وسیلہ ہیں۔

سنت:

حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے۔

يَامُحَمَّدُ ! اِنِّىْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّىْ اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے نابینا صحابی کو بذات خود یہ الفاظ بتائے...... ظاہر ہے اس میں شخصیت کا وسیلہ ہے عمل کا نہیں۔ اس حدیث کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر کوئی دوسرا معنی نکالنا ہوائے نفس کی پیروی میں تحریف کلمات کا ارتکاب کہلائے گا۔

رہی یہ بات کہ نابینا صحابی کی دعا کی مقبولیت حضور کے دعا کر دینے سے ہوئی (جس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں یا خود انہیں صحابی کے دعا کرنے سے ہوئی۔ یہ ہماری بحث سے الگ بات ہے۔ ہماری دلیل تو صرف حضور سے مروی یہ دعا ہے۔ اس روایت پر کوئی نقد بھی نہیں کر سکتا' کیونکہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جس کی قدرے تفصیل ہم آگے دے رہے ہیں۔

(۲) حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَآءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِىْ

اے رب! یہ دعا قبول فرما' اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے۔

اس حدیث کے سارے راوی علاوہ روح بن صلاح کے ثقہ اور معتبر ہیں۔ روح بن

صلاح کے بارے میں حاکم نے فرمایا ہے...... "یہ معتبر اور ثقہ ہیں۔" ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ و معتبر راویوں میں شمار کیا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ میں زندوں اور مردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اس روایت میں صاف لفظوں میں انبیاء کے جاہ و منزلت سے وسیلہ موجود ہے۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ آئے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْکَ

اے اللہ! سوال کرنے والوں کا تیرے یہاں جو حق ہے اس کے وسیلہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اس میں سارے ہی مسلمانوں کا وسیلہ ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن موفق ابن مرزوق سے روایت کرتے ہیں اپنی سند کے اندر منفرد نہیں۔ ساتھ ہی ابن مرزوق صحیح مسلم کے راویوں میں سے ایک ہیں اور دوسرے راوی عطیہ کی کئی روایتوں کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

انبیاء و صلحاء خواہ زندہ ہوں یا وصال کر چکے ہوں' ان کا وسیلہ لانا ہر دور میں امت مسلمہ کا وطیرہ اور طریقہ رہا ہے۔

(۴) استسقاء (بارش کی دعا) کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں:

وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا

اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔

یہ الفاظ واضح کرتے ہیں کہ صحابہ نے خود صحابہ کا وسیلہ لیا ہے۔ اس روایت میں حضرت عباسؓ کی شخصیت کا وسیلہ عیاں ہے۔

یہ جملہ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے لیکن انشائے توسل کے لیے لایا گیا ہے اور یہ توسل حضرت عباسؓ سے ہے۔ جملہ خبریہ کا دو ہی مقصد ہوا کرتا ہے' ایک تو یہ کہ مخاطب کو علم نہیں' مخبر اسے باخبر کرنا چاہتا ہے جیسے کوئی کہے میں کل تمہارے گھر گیا تھا مگر تم موجود نہ تھے...... دوسرے یہ کہ مخاطب تو جانتا ہے مگر مخبر اسے یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں بھی جانتا ہوں' جیسے کوئی کہے کل تم میرے یہاں آئے تھے مگر مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی اور حضرت عمر کے قول (اے خدا! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں) میں خبر کے دونوں ہی معنی ممکن ہیں۔ اس لیے کہ رب تعالیٰ

ان کے وسیلہ لانے کو بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنے توسل سے واقف ہیں۔ اس لیے حضرت عمر کی اس دعاء سے انشائے توسل اور حضرت عباس کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ لانا ہی مقصود ہے۔

اور حدیث کے ٹکڑے کُنَّا نَتَوَسَّلُ میں بھی وہی کچھ ہے جو پہلے جملہ میں ہے۔ اس کے علاوہ صحابی کا قول "کُنَّا نَفْعَلُ کَذَا" ...... ہم ایسا ہی کرتے ہیں ...... اس مذکورہ قول کے زمانہ سے پہلے زمانہ میں کسی فعل کے ہونے کو بتاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام' حضورﷺ کی ظاہری زندگی میں بھی اور رفیق اعلیٰ سے جاملنے کے بعد بھی عام رمادہ تک آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے ..... اس لیے کسی کا یہ کہنا کہ یہ وسیلہ حضورﷺ کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا' یہ خواہشات نفسانی کی پیروی اور الفاظ حدیث کی تحریف اور تاویل بلا دلیل ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں استسقاء کے لیے حضورﷺ کے بجائے حضرت عباسؓ کا وسیلہ لیا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک انبیاء سے ان کی وفات کے بعد وسیلہ لینا جائز نہیں' تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ مطلب کسی طرح اس حدیث سے اخذ نہیں ہوتا ...... بلکہ یہ ایک ناکام کوشش اور ناممکن خیال ہے۔ اس قائل نے حضرت عمرؓ کی طرف ایسی چیز منسوب کر دی ہے جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں' ان کی زبان سے ایسے خیال کا اظہار تو بہت دور کی بات ہے۔

ایسا مطلب بتانا اپنی رائے سے ایک صحیح اور صریح حدیث کو لغو اور باطل ٹھہرانے کا مصداق ہوگا۔

ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس طرح نبیﷺ کا وسیلہ لایا جاسکتا ہے اسی طرح آپ کے زندہ رشتہ داروں کا بھی وسیلہ لانا جائز اور درست ہے۔ استیعاب از ابن عبدالبر میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ......

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عام رمادہ ۱۷ھ کے اندر سخت قحط سالی ہوئی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا' امیر المومنین! بنی اسرائیل جب اس طرح کی قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کے رشتہ داروں کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ...... اچھا تو یہ رسول اللہﷺ کے چچا' آپ کے والد کے بھائی اور بنو ہاشم کے سردار حضرت عباس موجود ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے قحط سالی کا شکوہ کیا۔

کیا اب بھی واضح نہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کی شخصیت کا وسیلہ لانا' اس لیے نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) مردہ ہیں' پکار کو سنتے نہیں اور خدا کے یہاں ان کا کوئی مرتبہ نہیں؟ معاذ اللہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ ایک بڑا بہتان ہوگا۔

(۵) مالک دار سے مروی حدیث ہے' حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارث نبی ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کریں۔ لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ حضرت بلال بن حارث کو خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا عمر کے پاس جاؤ۔ ان سے سلام کہو اور بشارت دے دو کہ اب بارش ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کا وسیلہ لانا اس حدیث سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ابن ابوشیبہ نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری' ابن حجر عسقلانی ص ۹)

(۶) حضرت عثمان بن حنیف کی مذکورہ حدیث' جس میں خود نبی ﷺ نے ان کو دعائے حاجت کی تعلیم فرمائی...... حضرت عثمان بن حنیف کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ایک کام تھا۔ اس روایت میں نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ لایا گیا ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث کو طبرانی نے صحیح قرار دیا ہے اور ابوالحسن ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کیا ہے جس کی قدرے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

محدث کبیر محمد عابد سندھی نے وسیلہ سے متعلق روایات واحادیث کو ایک خاص جزء میں جمع کیا ہے۔ یہ مجموعہ بہت جامع اور کافی وشافی ہے۔

امت کا دستور عمل:

آغاز اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں انبیاء وصلحاء کا وسیلہ لینا امت مسلمہ کا دستور رہا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں اتنا کچھ موجود ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) ''مناسک امام احمد'' میں خدا کی بارگاہ میں' نبی ﷺ سے وسیلہ لینے سے متعلق ابوبکر مروزی کی روایت موجود ہے۔

(۲) شیخ حنابلہ ابوالوفا ابن عقیل نے ''تذکرہ'' میں مذہب حنابلہ کے مطابق سرکار سے

توسل کا طویل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) ہم نے ''السیف الصقیل'' کے تکملہ میں ان کے الفاظ بیان کر دیئے ہیں۔

(۴) امام شافعی کا امام ابوحنیفہ کا وسیلہ لانا صحیح سند کے ساتھ تاریخ خطیب کے شروع میں مذکور ہے۔

(۵) حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی نے اپنے لاعلاج پھوڑے سے شفایابی کے لیے امام احمد کی قبر پر ہاتھ پھیرا۔

حافظ ضیا مقدسی نے اپنے استاذ موصوف سے سن کر اپنی کتاب ''الحکایات المنشورہ'' میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب آج بھی ''ظاہریہ'' دمشق میں موجود ہے اور لطف یہ کہ خود مؤلف کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔

یہ کتاب آج کیا یہ اکابر اسلام قبر پرست تھے۔

عقل:

امام فخر الدین رازی، علامہ سعد الدین تفتازانی، علامہ سید شریف جرجانی اور ان جیسے بڑے بڑے ائمہ اسلام جن سے مشکل مسائل کا حل لیا جاتا ہے، یہ حضرات انبیاء وصلحاء خواہ زندہ ہوں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں، ان سے وسیلہ لینا جائز قرار دیتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کون ہوگا جو ان حضرات کو شرک کا داعی اور قبر کا پجاری قرار دے گا، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ نے ایمان و کفر اور توحید و دین کو انہیں حضرات سے سیکھا ہے۔ یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ دراصل ساری مدد مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

اب اس مسئلہ میں ان عظیم شخصیتوں کے اقوال انہیں کے الفاظ میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

جو روحیں جسمانیات سے پاک ہو چکی ہیں اور جسموں کی تاریکی سے آزاد ہونے کے بعد عالم بالا سے مل جانے کا شوق رکھتی ہیں، وہ روحیں عالم قدس اور عالم ملائکہ میں پہنچتی ہیں۔ ایسی روحوں کے اثرات اس دنیا کے حالات کے سلسلہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ مدبرات امر (کاروبار عالم) کی تدبیر کرنے والی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص اپنے استاذ کو خواب میں دیکھتا ہے اور

اپنی کوئی مشکل اس کے سامنے رکھتا ہے اور وہ استاذ اس کی مشکل کا حل پیش کر دیتا ہے۔

(۲) نیز امام رازی "المطالب العالیہ"...... یہ کتاب' اصول دین کی اہم اور مفید ترین کتاب ہے' کے مقدمہ ثالثہ' کتاب سابع کی دسویں فصل میں فرماتے ہیں...... انسان کبھی کبھی اپنے ماں باپ کو خواب میں دیکھتا ہے اور ان سے بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہے اور وہ لوگ اس کو صحیح جوابات دیتے ہیں اور کبھی تو وہ ایسے دفینہ کی خبر دیتے ہیں جس کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔

(۳) پھر آگے فرماتے ہیں...... اپنے بچپن میں جب میں زیر تعلیم تھا' اس وقت یہ بحث پڑھتا "حوادث لا اول لہا" واقعات جن کا آغاز نہیں۔ میں اس بحث کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں...... اس بحث کی بہترین دلیل یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کو حرکت کہتے ہیں۔ اس طرح حرکت کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہو اور ازل کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اس طرح دونوں کا ایک ساتھ وجود میں آنا لازماً محال ہوگا۔

پھر مصنف اس دلیل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اب تک جو کچھ بھی کہا گیا ہے ان میں سب سے بہتر یہ دلیل ہے۔

(۴) میں نے سنا ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود سبکتگین کے نام پر اپنا مشہور شاہ نامہ مرتب کیا اور سلطان نے اس کا صلہ ادا نہ کیا' تو اس کے اندر ایک طرح کی بددلی پیدا ہوگئی۔ وہ اس کشمکش میں تھا کہ اس نے "رستم" کو خواب میں دیکھا۔ رستم اس سے کہہ رہا ہے تم نے اس کتاب میں میری بڑی تعریف کی ہے اور میں مردہ ہوں تم کو صلہ نہیں دے سکتا۔ ہاں! میں تمہیں ایک جگہ دفینہ کی نشاندہی کرتا ہوں' تم وہاں جا کر وہ خزانہ لے لینا...... اس کے بعد فردوسی کہا کرتا تھا "مردہ رستم زندہ محمود سے کہیں زیادہ کریم ہے۔"

(۵) امام رازی اسی مقالہ ثالثہ کی پندرہویں فصل میں دلیلیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں...... اس سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس میں چیزوں کے معلوم کرنے کی قوت باقی رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم اصول ہے جس سے علم المعاد حشر و نشر کے بارے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے......

(۶) امام رازی اسی مقالہ کی اٹھارہویں فصل میں فرماتے ہیں...... یہ اٹھارہویں فصل

اموات وقبور کی زیارت سے استفادہ کے بیان میں ہے۔

پھر فرماتے ہیں...... اس مسئلہ کے بارے میں ایک عظیم سلطان بادشاہ محمد بن سام بن حسین غوری نے مجھ سے پوچھا' یہ بادشاہ اچھے اخلاق و سیرت کا حامل تھا۔ اہل علم اور اہل دین و دانش سے اس کو گہرا لگاؤ تھا۔ اس نیک دل بادشاہ کے جواب میں میں نے ایک رسالہ لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اس بحث کے چند مقدمات ہیں۔

پہلا مقدمہ:

اس کی دلیل ہم قائم کر چکے کہ جسموں کے مرنے کے بعد ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں...... اور یہ روحیں ان روحوں سے جو ابھی جسموں میں ہیں' بعض حیثیتوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں اور بعض چیزوں میں یہ جسموں والی روحیں زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ جسموں سے آزاد روحیں اس طرح زیادہ طاقتور ہوتی ہیں کہ یہ روحیں جب اپنے جسموں سے جدا ہوگئیں تو ان کا پردہ ہٹ گیا۔ اور ان کے لیے عالم غیب اور منازل آخرت کے سربستہ راز کھل گئے اور ایسے بہت سے علوم جو دلائل سے معلوم ہوتے تھے اب ان روحوں کو یہ علوم بداہت اور مشاہدہ سے معلوم ہونے لگے کیونکہ یہ روحیں جب تک جسموں میں تھیں' تو وہ گویا ایک برتن میں بند تھیں' جب بدن کی قید سے آزاد ہوگئیں تو ان میں ایک خاص قسم کی چمک اور درخشندگی پیدا ہوگئی۔ اس طرح ان آزاد ہونے والی روحوں کے اندر ایک خوبی اور کمال پیدا ہوگیا اور جسموں سے وابستہ روحیں اس اعتبار سے زیادہ طاقتور ہیں کہ فکر و نظر کے ذریعہ اکتساب و طلب کے آلات ان روحوں کے ساتھ وابستہ ہیں اور وہ روحیں ہر روز ایک نیا تجربہ حاصل کرتی ہیں اور جسموں سے آزاد روحوں کو یہ چیزیں میسر نہیں۔

دوسرا مقدمہ:

روحوں کا اپنے جسموں سے شدید عشق اور کامل محبت جیسا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی حاصل کی جاتی ہے وہ صرف اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ اس سے جسم کو آرام' راحت اور فائدہ حاصل ہوگا...... جب انسان مرجاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ میلان و رجحان اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور روح کا جسم سے جو عشق تھا وہ بھی بحال رہتا ہے اور پھر اس روح کا اپنے بدن کی طرف میلان اور جھکاؤ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ہمارا ثابت کردہ وہ نظریہ ہے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ نفس ناطقہ جزئیات کا ادراک

کرتا ہے اور نفس ناطقہ اپنے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد بھی اپنے اندر ادراک کی قوت باقی رکھتا ہے۔

ان مقدمات کی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ جب انسان ایک طاقتور اور با اثر روح والے انسان کی قبر پر جاتا ہے اور وہاں تھوڑی دیر کے لیے رکتا ہے تو اس کا نفس اس تربت سے اثر پذیر ہوتا ہے...... اور پہلے بتایا جا چکا کہ اس میت کی روح کا اس تربت سے ہمیشہ تعلق قائم رہتا ہے۔ ایسے میں ان دونوں کے یکجا جمع ہونے سے اس زیارت کرنے والے شخص کو اس صاحب قبر سے ایک طرح کی ملاقات ہوتی ہے اور یہ دونوں روحیں ان دو صاف وشفاف آئینے کی طرح ہو جاتی ہیں' جو اس طرح رکھے گئے ہوں کہ شعاعیں چھن کر ایک دوسرے کو پہنچ رہی ہوں۔ اللہ کے لیے خشوع وخضوع اور اس کے فیصلے پر راضی ہونے کے باعث جو علوم ومعارف اور اخلاق فاضلہ اس زائر کو ملتے ہیں' اس سے ایک نور نکل کر اس میت کی روح تک پہنچتا ہے اور اسی طرح زیارت کرنے والے اور صاحب قبر کی روحوں کو اس زیارت سے ایک عظیم نفع اور زبردست سرور نصیب ہوتا ہے۔ یہی زیارت قبر کے مشروع ہونے کا اصلی سبب ہے۔

اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس سے بھی کچھ زیادہ رازہائے سربستہ حاصل ہوتے ہوں' جن کا صحیح علم صرف وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے۔

یہ امام فخر الدین رازی کا نظریہ ہے' جس میں انہوں نے واضح فرمایا کہ زیارت میں زائر اور صاحب قبر کے مراتب کے تناسب سے اخذ واستفادہ اور عطا وافادہ کا سلسلہ باہم پایا جاتا ہے۔

(۷) علامہ محقق سعد الدین تفتازانی ''شرح المقاصد'' کی دوسری جلد ص ۳۷ پر فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں (یہ کتاب اصول عقائد کی بنیادی کتابوں میں ہے)

فلاسفہ کے یہاں جزئیات کے ادراک کے لیے آلات وذرائع میں صورت کا حاصل ہونا شرط ہے۔

جب بات یہ ٹھہری تو روح کے جسم سے جدا ہو جانے اور ذرائع وآلات کے ناپید ہو جانے کے بعد نفس میں جزئیات کے لیے قوت ادراک باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا۔

ہم جواب دیں گے ہمارے یہاں جزئیات کے ادراک کے آلات وذرائع شرط

نہیں۔اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ادراک نفس میں یا حواس میں حصول صورت کا نام نہیں یا پھر اس لیے کہ جزئی کی صورت کا نفس میں مرتسم ہونا محال نہیں...... بلکہ اسلامی اصول سے تو یہی ظاہر ہے کہ جسم کے روح سے جدا ہو جانے کے بعد بھی روح کو جزئی قسم کے ادراکات اور زندوں کے حالات کے جزئیات پر اطلاع ہوتی ہے۔خصوصاً میت کا جن سے تعارف اور لگاؤ ہوتا ہے ان کے حالات سے اس میت کو آگاہی ہوتی ہے اسی لیے زیارت قبور سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور بھلائیوں کے حصول اور مصیبتوں کے ازالہ کے سلسلہ میں وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے مدد بھی لی جاتی ہے۔اس لیے روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس جسم اور خاک سے جہاں یہ جسم مدفن ہوا ہے' ایک طرح کا تعلق باقی رہتا ہے۔

جب یہ زیارت کرنے والا اس خاک پر آتا ہے اور اس کی روح اس صاحب قبر کی روح کے قریب آتی ہے' تو دونوں روحوں کے درمیان ایک قسم کی ملاقات اور فائدہ رسانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی کی یہ تحقیق ہے۔کیا علامہ تفتازانی بھی ان لوگوں میں سے ہو سکتے ہیں جو توحید اور شرک کے درمیان تمیز نہیں رکھتے؟ ایسا خیال رکھنے والے ذہن کا برا ہو۔

(۸) مزید علامہ تفتازانی اسی جلد کے ص ۵۰۱ پر رقم طراز ہیں۔

الی اصل اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور تقریباً اسی قدر ہے جتنا کہ انبیائے کرام سے معجزات کا ظہور ہوا ہے۔

بدمذہب اگر اس کا انکار کرتے ہیں تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں' کیونکہ انہوں نے عبادت کے کاموں کی بجا آوری اور برائیوں سے اجتناب میں سرگرمی و کوشش کے باوجود نہ تو اپنے اپنے کسی کرامت کا مشاہدہ کیا' نہ اپنے کو برتر و بالا سمجھنے والے اپنے پیشواؤں کے بارے میں ایسا کچھ سنا اس لیے سرے سے کرامات اولیاء ہی کا انکار کر بیٹھے اور ان کی بدگوئی اور غیبت پر اتر آئے۔صالحین کی کھال چاک کرنا اور ان کا گوشت چبانا ہی مشغلہ بن گیا۔ان کو جاہل صوفیہ کے لقب سے یاد کرنا اور ان کو اہل بدعت میں شمار کرنا ہی شیوہ ٹھہرا۔یہ اپنی مسلسل غیبت گوئی کی وجہ سے اس مثل کے مصداق ہیں او سعتھم ستا و او دوا بالاہل۔انہیں پتہ نہیں کہ حصول کرامت کی بنیاد عقیدہ کی درستی' باطن کی صفائی' طریقت کی پیروی اور حقیقت کی برگزیدگی پر قائم ہے۔

اولیائے کرام کے سلسلہ میں یہ اس محقق کا ارشاد ہے جن کا تصوف سے تعلق نہ تھا......

اولیائے کرام کی آبروریزی کرنے والوں کے لیے اس بیان میں عبرت کا سامان موجود ہے۔

(۹) علامہ سید شریف جرجانی حاشیہ ''مطالع'' میں فرماتے ہیں نبی ﷺ پر کتابوں کے شروع میں درود لکھنے اور فیض یابی کے لیے عظیم ہستیوں کا وسیلہ لینے کی وجہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں...... اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بڑی شخصیتوں کا وسیلہ بس ان کی ظاہری زندگی ہی تک محدود ہے' ان کے جسموں سے روحوں کے رخصت ہونے کے بعد توسل کی گنجائش نہیں۔

تو ہم جواب دیں گے توسل اور فیض یابی کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ پاکیزہ ہستیاں اس دنیا کے اندر اپنے جسموں سے تعلق قائم رکھتے ہوئے اپنی زبردست ہمت وعزیمت کے ساتھ ناقص افراد کی تکمیل میں مصروف رہ چکی ہوں۔ بعد وفات بھی ان کے اندر اس کا اثر باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مزارات کی زیارت زائرین کے لیے منبع انوار ثابت ہوتی ہے...... جس کا اصحاب نظر مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

غرض! اس مسئلہ میں کتاب وسنت' عمل امت' دستور مسلمین اور ائمہ دین سب متفق و متحد ہیں۔ اس کے باوجود جو انکار وعناد پر آمادہ ہو وہ راہ حق سے منحرف ہے۔

اب ہم ذیل میں اس سلسلہ کی احادیث وروایات پیش کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے آیات وسیلہ کا مفہوم واضح کرتے چلیں۔

(۱) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۝ (مائدہ:۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو' اور اس کی بارگاہ کے لیے وسیلہ لاؤ۔

اس میں شخصیت اور عمل دونوں کا وسیلہ مطلوب ہے اس لیے کہ وسیلہ ان دونوں چیزوں کو شامل ہے...... یہ استدلال نہ تو محض رائے سے ہے' نہ صرف عموم لغوی کے تحت ہے' بلکہ اس کے حق میں واضح روایتیں بھی موجود ہیں۔

ابن عبدالبر نے ''استیعاب'' میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے بارش ہونے کے لیے وسیلہ لیا تھا اور ان کے وسیلہ سے بارش ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔

هٰذَا وَاللّٰهِ الْوَسِیْلَةُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْمَکَانُ مِنْهُ

حضرت عباسؓ اللہ کی بارگاہ کے وسیلہ اور صاحب مرتبہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد کا ایک حصہ اور ''فتح الباری'' میں اس طرح آیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

وَاتَّخَذُوْهُ (يَعْنِي الْعَبَّاسَ) وَسِيْلَةً اِلَى اللّٰهِ

لوگو! ان (حضرت عباسؓ) کو خدا کی بارگاہ کے لیے وسیلہ بناؤ۔

اگر کہا جائے کہ فاروق اعظم کے ارشاد "اِتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس سے دعا کراؤ تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں اس معنی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمران سے دعا کی درخواست تو پہلے ہی کر چکے تھے جس پر انہوں نے آگے بڑھ کر دعا بھی کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے فرمان "اِتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً" کا یہی معنی ہوگا کہ ان کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ جیسا کہ خود حضرت عمرؓ نے اپنے عمل سے لوگوں پر اسے واضح کیا تھا۔ وَلٰكِنَّ الْهَوٰى يُعْمِيْ وَيُصِمُّ

فتح الباری میں منقول ہے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ "لوگ آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے۔" اس میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے حضور سے درخواست کی ہو کہ حضور ان کے لیے بارش طلب کریں۔ اس لیے کہ دونوں شکلوں میں اس کا امکان ہے کہ خود صحابہ کرام نبی ﷺ کا وسیلہ لا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دعا کرتے تھے۔ ابن رشید نے تو اپنے اس قول سے ساری بحث ہی کا خاتمہ کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ عنوان باب:

بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْاِمَامَ الْاِسْتِسْقَآءَ

لوگوں کا امام سے استسقاء کے لیے درخواست کرنے کا باب۔

کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب لوگ حضور ﷺ کو وسیلہ بنا کر خود اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور بارش نازل فرماتا تو اگر خود حضور ﷺ ہی کو دعا کے لیے آگے بڑھائیں تو یہ بدرجہ اولیٰ درست اور مناسب ہوگا۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی ﷺ وسیلہ ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دعا کرائی جائے۔ ایسے لوگوں کا خیال ان دونوں محققین کے قول سے غلط ہو کر رہ جاتا ہے کہاں وسیلہ لینا' اور کہاں دعا کرانا۔

ہاں! کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس کا وسیلہ لیا جاتا ہے وہ وسیلہ لینے والے کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن یہ توسل کا لغوی یا شرعی معنی ہرگز نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا وسیلہ حق ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ کے تحت تفسیر علامہ بغوی وغیرہ

میں یہ روایت آئی ہے۔

(۲) وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (البقرہ:۸۹)

یعنی اہل کتاب یہود نبی ﷺ کے وسیلہ سے اہل کفر کے مقابلہ میں فتح مانگا کرتے مگر جب یہ نبی ﷺ تشریف لائے تو یہ انکار کر بیٹھے۔

یہود پر جب کوئی دشمن حملہ آور ہوتا' تو یہ دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ فَكَانُوْا يَنْصُرُوْنَ ٥

اے اللہ! دشمن پر ہماری مدد فرما اس نبی ﷺ کے وسیلہ سے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔

چنانچہ یہود اس طرح دعا کرتے تو ان کو فتح ونصرت حاصل ہوتی۔

اس سلسلہ کی مکمل روایتیں "الدرالمنثور" از سیوطی میں مرقوم ہیں۔

درج ذیل آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کا وسیلہ بالکل واضح ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ٥ (النساء:۹)

اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں' پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت کا سوال کریں' اور آپ بھی ان کے لیے بخشش مانگیں تو یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ حضور کا یہ وسیلہ آپ کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا تو یہ بات بلا دلیل' بلکہ خواہش نفس کی پیروی ہوگی۔

مطلق اپنے اطلاق پر ہی ہوگا۔ اس پر اہل حق کا اتفاق ہے۔ مطلق کسی دلیل ہی سے مقید ہوگا اور اس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس مطلق کو مقید بنا سکے۔

اس آیت کے سلسلے میں سارے مذاہب کے فقہاء حتیٰ کہ حنبلی حضرات بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آیت بعد وفات کے زمانہ کو بھی شامل ہے اور انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حنبلی حضرات کے نزدیک زیارت قبر انور کے وقت توسل کے الفاظ کیا ہیں؟...... یہ

قدیم حنبلی بزرگ ابوالوفاء بن عقیل کی کتاب ''التذکرہ'' سے ہم نے ابن قیم کے قصیدۂ نونیہ کے رد ''السیف الصقیل'' کے تکملہ میں ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ توسل میں مذکورہ آیت کریمہ اور سرکار سے توسل دونوں موجود ہیں...... جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی آیت بالا سے توسل کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

عتبی کی حدیث میں بھی اس آیت کریمہ کو ذکر کر کے سرکار سے توسل کا واقعہ موجود ہے۔ اس روایت کو محض زور قلم سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم وہ روایات واحادیث پیش کر رہے ہیں، جن میں وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے۔ سابقہ صفحات میں احادیث کی جانب جو اجمالی اشارہ کیا گیا ہے اب اس کی تفصیل کے لیے ہم یہاں کچھ احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں جن سے واضح طور پر وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) بخاری نے استسقاء کے بیان میں روایت کی ہے حضرت انس سے مروی ہے حضرت عمر بن خطاب کا معمول تھا کہ جب قحط پڑتا تو آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش کا سوال کرتے...... ان کے الفاظ یہ ہوتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ ٥

اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے بارش کا سوال کرتے تھے، اور تو ہم پر بارش نازل کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش کا سوال کر رہے ہیں، اے رب! ہم پر اس وسیلہ سے بارش نازل فرما، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد بارش ہوا کرتی۔

اس حدیث میں شخصیت کا وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے۔ اس روایت کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ عبارت اصل میں یہ ہے ''بِدُعَاءِ عَمِّ نَبِيِّنَا'' یہ مطلب غلط اور بے بنیاد ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔

اسی طرح یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی وفات کے باعث آپ کا وسیلہ ترک کیا گیا اور حضرت عباس کا وسیلہ لیا گیا...... یہ ایک ایسی بات ہوگی جو حضرت عمر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزری ہوگی بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برتر کے ہوتے ہوئے بھی کمتر سے وسیلہ لیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح "بِعَمِّ نَبِيِّنَا" کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو وسیلہ لیا گیا ہے وہ حضرت عباس کے رشتہ نبی ﷺ کا ہی وسیلہ ہے اور حضور کے یہاں جو ان کا رتبہ تھا' اس کا وسیلہ ہے وہ درحقیقت نبی ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔

حدیث کا دوسرا لفظ "كُنَّا" یہ صرف عہد نبی ﷺ ہی کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ اس کے بعد عام رمادہ تک کے زمانہ کو بھی شامل ہے' اس لیے اس کو عہد نبی ﷺ کے ساتھ مقید کرنا بلا دلیل ہے۔

ابن عمرؓ تو بخاری کی روایت کے مطابق ابو طالب کا یہ شعر بھی سنایا کرتے تھے۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ

آپ روشن و سفید رو ہیں آپ کے چہرۂ انور کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے۔

بلکہ فتح الباری کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے خود یہ شعر پڑھنے کی فرمائش کی ہے۔

اسی طرح حضرت حسانؓ کے اس شعر میں وسیلہ سے کون انکار کر سکتا ہے۔

"فَسَقَى الْغَمَامُ بِغُرَّةِ الْعَبَّاسِ" (استعاب)

ان سب روایات و اشعار میں یہ حقیقت بالکل آشکار ہے کہ حضرت عباسؓ کی شخصیت اور رب تعالیٰ کے یہاں ان کا جو رتبہ ہے اس کے وسیلہ سے خدا سے بارش کا سوال کیا گیا۔

(۲) بیہقی نے مالک الدار سے روایت کی ہے اس روایت میں صاف ہے کہ حضرت بلال بن حارث مزنیؓ نے عہد عمرؓ میں نبی ﷺ کی ذات اقدس کا وسیلہ لیا تھا۔

مالک الدار اضافت کے ساتھ' حضرت عمر کے مولیٰ اور خازن تھے۔ حضرت عمر نے ان کو بے سہارا لوگوں کا انتظام سونپا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو تقسیم کی ذمہ داری عطا کی تھی' اس لیے ان کا نام مالک الدار ہو گیا۔ (طبقات سعد و اصابہ)

معارف بن قتیبہ میں ہے' حضرت عمرؓ کے خدام میں ایک مالک الدار بھی تھے۔ حضرت عمر نے ان کو ایک گھر سونپا تھا' جس میں وہ لوگوں کو کچھ بانٹا کرتے تھے۔ وسیلہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجَآءَ رَجُلٌ اِلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْتَسْقِ اللّٰهَ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ قَدْهَلَكُوْا

نبی ﷺ نے بذاتِ خود ان کو ایک دعا بتائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیْ حَاجَتِیْ

اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور تیرے نبی محمد رحمت کے نبی کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں...... یارسول اللہ میں آپ کا وسیلہ لاکر اپنی اس ضرورت کو لے کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا تاکہ میری ضرورت پوری ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) نبی ﷺ کی ذات اور آپ کے جاہ عالی کا وسیلہ حق ہے۔

(۲) آپ کو دور سے پکارنا اور ندا دینا بھی حق ہے۔

منکرین وسیلہ کے لیے یہ روایت بھی تازیانہ عبرت ہے۔ یہ حدیث بخاری نے ''تاریخ کبیر'' میں، ترمذی نے ''جامع دعوات'' میں، ابن ماجہ نے ''سنن'' صلاۃ الحاجۃ میں روایت کی ہے...... اور ساتھ ہی ابن ماجہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کی ہے۔ نسائی نے ''عمل الیوم واللیلہ'' میں، ابونعیم نے ''معرفۃ الصحابہ'' میں، بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں اور ان کے سوا اور بھی کئی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ روایت نقل کی ہے...... اس کے علاوہ تقریباً پندرہ حفاظ و محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ متاخرین کے علاوہ ان محدثین میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں: ترمذی، ابن حبان، حاکم، طبرانی، ابونعیم، بیہقی اور منذری...... ترمذی کی سند اس طرح ہے۔ (ج ۲ ص ۱۹۷ مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَنْ عَمَّارَةَ بْنِ خُزَیْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَیْفٍ (الحدیث)

ترمذی نے اس حدیث کو صحیح حسن غریب بتایا ہے۔ مزید فرماتے ہیں، یہ حدیث ہمیں صرف ابو جعفر خطمی کے واسطے سے پہنچی ہے۔ ابو جعفر کے بارے میں ترمذی کے کسی نسخہ میں وَھُوَ غَیْرُ الْخِطْمِیّ'' اور کسی میں ''لَیْسَ ھُوَ الْخِطْمِیُّ'' کے الفاظ بھی ملتے ہیں اور یہ سب ناقلوں

کے تصرفات ہیں' کیونکہ امام ترمذی کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ فلاں نہیں اور اس کی تفصیل سے وضاحت نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابو جعفر جنہوں نے عمارہ سے روایت کی ہے یہ عمیر بن یزید خطمی ہی ہیں جو اصلاً مدنی ثانیاً بصری ہیں جیسا کہ رجال کی مشہور مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

اور ابو جعفر رازی متوفی ۱۶۰ھ جو شعبہ کے مشائخ میں سے ایک ہیں' انہوں نے عمارہ متوفی ۱۰۵ھ کا زمانہ قطعاً نہیں پایا...... اس لیے کہ ابو جعفر رازی کا سفر حجاز' عمارہ کی وفات کے ۹ سال بعد وقوع پذیر ہوا اور شعبہ اپنی روایتوں میں قوی اور قابل اعتبار ہیں۔

ساتھ ہی طبرانی وغیرہ کے نزدیک حدیث کے دیگر واسطے بھی اصل سند سے ہی اس کی تائید کر دیتے ہیں کہ یہ ابو جعفر وہی خطمی ہیں جو متفقہ طور پر ثقہ ہیں' اس حدیث کی سند بحوالہ طبرانی ''شفاء السقام'' از تقی سبکی میں مذکور ہے۔

ترمذی کی سند کے سارے ہی راوی ثقہ اور معتبر ہیں اور ترمذی کی اس حدیث کو غریب کہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ سند میں عثمان بن عمر بروایت شعبہ منفرد ہیں...... اور ابو جعفر بروایت عمارہ بھی منفرد ہیں' حالانکہ یہ دونوں ہی راوی بالاتفاق ثقہ ہیں اور ایسی کتنی ہی صحیح حدیثیں ہیں' جن کے سلسلہ رواۃ میں کہیں کوئی راوی منفرد ہوتا ہے جیسا کہ حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' میں بھی یہ انفراد پایا جاتا ہے...... اسی حدیث کو امام ترمذی نے ''حسن'' بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو جعفر اور عثمان بن عمر کے بعد اس کے واسطے متعدد ہیں۔ اسی کو ترمذی نے صحیح بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راویوں میں صحت کے اوصاف مکمل طور پر موجود ہیں۔

(۴) حضرت عثمان بن حنیف کی حدیث جس میں ایک شخص کو نماز حاجت کے ساتھ مذکورہ دعا کی تعلیم دی گئی ہے اس شخص کو امیر المومنین عثمان بن عفانؓ سے ایک کام تھا۔ اس نے وہی دعا کی اور اس کا کام ہو گیا۔

اس مقام پر جس نکتہ کی نشاندہی کرنی ہے' وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا صحابی نے دعائے حاجت کی حدیث سے یہی سمجھا کہ یہ دعا نبی ﷺ کی ظاہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ ہے حضور ﷺ کا وسیلہ اور یہ ہے حضور کی رحلت کے بعد آپ کو پکارنا اور ندا کرنا...... اور یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ..... طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں یہ حدیث روایت کی ہے اور کئی واسطوں سے اس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور ایسے راویوں کی روایتیں چھان بین کے بعد قبول کرلی جاتی ہیں۔ حاکم نے ایسا ہی کیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس حدیث کو امام مالک نے خود قبول فرمایا جیسا کہ ابن حمید امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے ابوجعفر منصور سے فرمایا:

هُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ اَبِيكَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

محمد ﷺ تمہارا بھی وسیلہ ہیں' اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔

اب جب امام مالکؒ نے روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کو بطور دلیل پیش کردیا تو عبدالرحمٰن راوی کے اوپر سے وہم اور قلت حفظ کا الزام ختم ہوگیا...... کیونکہ دوسرے الزام دینے والوں نے امام مالک کی تبعیت ہی میں الزام دیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن بن زید ایسے محدث نہیں جن کی روایت مطلقاً مسترد کردی جائے۔ امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر امام نے ''الام'' اور مسند میں ان کی روایت کردہ حدیث سے (فضائل میں نہیں) بلکہ احکام میں استدلال کیا ہے...... ایسی صورت میں حاکم نے مذکورہ حدیث کو اگر صحیح قرار دیا تو وہ باعث ملامت نہیں۔ یہ حدیث بلاشک و شبہ صحیح ہے۔ ہاں! جن کے سینے فضائل مصطفیٰ سے تنگ ہوں وہ تو اس کی صحت سے انکار ہی کرتے رہے گے۔

امام مالکؒ کا مذکورہ ارشاد قاضی عیاض نے ''الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ'' میں عمدہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱) اس روایت کی سند میں جو ابن حمید مذکور ہیں وہ محمد بن حمید رازی ہیں' یہی راجح ہے' وہ نہیں جو امام تقی الدین سبکی کا گمان ہے لیکن ان رازی کا حال ایسا نہیں جیسا کہ شمس بن عبدالہادی نے تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔ شمس بن عبدالہادی نے ان کے ساتھ ناروا سلوک یہ کیا ہے کہ ان پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب جمع کردی ہیں اور ان کی تعریفوں کو نظرانداز کردیا ہے۔

ابن عبدالہادی ان تین میں سے ایک ہیں جو عالم شباب میں ابن تیمیہ سے ملے اور ان سے فریب خوردہ ہوکر راہ مستقیم سے ہٹ گئے۔ جو دلائل ان کے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف پڑتے ہیں' ان میں یہ صاحب ''جرح'' کا ذکر کرتے ہیں اور ''تعدیل'' کو گول کرجاتے ہیں۔

یہ محمد بن حمید وہ ہیں جن سے ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن ابوخیثمہ بیان کرتے ہیں' رازی کے بارے میں ابن

معین سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا' ثقہ اور دانشمند ہیں۔ ان سے استناد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام احمد نے فرمایا ''ری'' میں اس وقت تک علم ہوگا جب تک محمد بن حمید ہوں گے۔ ابن حمید وہ ہیں جن کی صاغانی اور ذہلی نے بھی تعریفیں کی ہیں...... خلیلی ''الارشاد'' میں رقمطراز ہیں ابن حمید علم حدیث کے عالم اور حافظ ہیں۔ احمد اور یحییٰ نے ان کو پسند کیا۔ امام بخاری نے فرمایا ''فِیْہِ نَظَر''...... نہیں اس جیسی حدیث کے سلسلے میں وہ متہم نہیں۔ لمبی عمر پاکر ۲۴۸ھ میں رحلت فرمائی۔ امام مالک کے وصال کے وقت ان کی عمر پندرہ سال سے کم نہ تھی' جبکہ یہ لوگ اپنے امام کی ''مسند'' میں پانچ سال کے راوی کی روایت بھی قبول کرتے نظر آتے ہیں۔

(۲) یعقوب بن اسحاق کے بارے میں خطیب نے تاریخ میں کہا ''لَا بَأْسَ بِہٖ'' ان میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن مختاب' اسماعیل قاضی کے بڑے اصحاب میں سے ایک ہیں۔ ان کو تقریباً ۳۰۰ھ میں مقتدر نے مدینہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور اس زمانہ میں غیر ثقہ عالم مدینہ منورہ کا قاضی نہیں ہوسکتا تھا۔

(۴) اور ان کے شاگرد محمد بن احمد بن فرج کی سمعانی نے ''الانساب'' میں ذکر جزاء ری کے تحت توثیق کی ہے۔ ابن اثیر نے ''اللباب'' میں اس توثیق کو برقرار رکھا ہے۔

(۵) ابوالحسن فہری بھی یقیناً ثقہ ہیں۔ ''العبر'' از ذہبی میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

(۶) ابن دلہاث ابن عبدالبر کے ثقہ مشائخ میں سے ایک ہیں۔ ''صلہ'' ابن بشکوال مطبوعہ مادریہ میں ان کا تذکرہ مرقوم ہے۔ راویوں کے جو تذکرے ہم نے اوپر پیش کیے ہیں' تقریباً اسی انداز سے سبکی نے ''شفاء السقام'' میں قلمبند کیا ہے۔

ابن عبدالہادی اس حدیث کے قبول کرنے سے صرف اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ روایت ان کے شیخ ابن تیمیہ کے تفردات کے خلاف پڑتی ہے۔

ابن مختاب کے اس حدیث کے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ قاضی اسماعیل مالکی کی ''مبسوط'' میں جو کچھ ہے اس کی تردید کرسکیں' جو ابن وہب بروایت مالک کے خلاف ہے۔ شیخ اسماعیل عراق کے ہیں اور اہل مدینہ اور اہل مصر عراقیوں سے زیادہ امام مالک کے مسائل سے آگاہ ہیں۔ ساتھ ہی اسماعیل نے امام مالک تک کی سند کا ذکر بھی نہ کیا' بلکہ اسے مرسلاً

نزدیک ثقہ ہیں۔ اگرچہ ابوالفرج نے اپنی "علل" میں ان پر تنقید کی ہے اور ابن سنی نے "عمل الیوم واللیلہ" میں ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں وازع نے بلال سے اس طرح روایت کی ہے...... اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ

اس سند میں نہ عطیہ ہیں' نہ ابن مرزوق اور نہ ہی ابن موفق ہیں...... جس سے ظاہر ہو گیا کہ عطیہ ابن مرزوق' اور ابن موفق کو اگر ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو مذکورہ سندوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ تینوں حضرات اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس کی دوسری تائیدات بھی موجود ہیں...... علاوہ ازیں احمد بن منیع کے شیخ یزید بن ہارون بھی ابن مرزوق سے روایت کرنے میں ابن موفق کے شریک ہیں...... اسی طرح فضل بن دکین' ابن فضیل اور سلیمان بن حبان وغیرہم نے بھی ابن مرزوق سے روایت کی ہے۔ عطیہ پر تشیع کا الزام ہے لیکن امام ترمذی نے ان کی کئی روایتوں کو حسن قرار دیا ہے...... ابن معین سے منقول ہے کہ وہ صالح ہیں۔ ابن سعد سے مروی ہے کہ ثقہ ہیں...... ابن عدی نے فرمایا ہے ان کی روایتیں صالح ہیں اور حضرت ابوسعید خدری کے نام کی صراحت کے بعد تدلیس کا احتمال نہیں' خصوصاً جبکہ اس روایت میں متابعت بھی ہے اور امام مسلم کے نزدیک ابن مرزوق کی توثیق کا پلہ بھاری ہے' کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذکورہ حدیث بلالؓ کے واسطے سے بھی وارد ہوئی ہے...... اس لیے یہ حدیث تمام تر تنقیدات کے باوجود پایہ اعتبار اور درجہ استدلال سے فروتر ہرگز نہیں ہو سکتی' بلکہ اس کا معاملہ صحیح اور حسن کے درمیان ہوگا' کیونکہ یہاں متابعات اور شواہد کثرت سے پائے جا رہے ہیں۔

ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ جرح کو تعدیل پر ترجیح ہوتی ہے...... اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ قول ضعیف ہے' ثانیاً وہ بھی جرح کو تعدیل پر اس وقت ترجیح دیتے ہیں جب دونوں میں اس طرح تعارض ہو کہ دونوں کا پلہ بالکل برابر ہو۔ اس لیے جرح کی ترجیح کا معاملہ ثابت کرنے کے لیے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہاں جرح و تعدیل دونوں بالکل ہم پلہ ہیں...... اس کے بغیر مطلقاً جرح کی تقدیم کا فیصلہ صادر کرنا بہت دور کی بات ہے اور زیر بحث حدیث کو تو حافظ عراقی نے تخریج احادیث احیاء اور حافظ ابن حجر نے "امالی الاذکار" میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔ اس لیے اہل بدعت کے لیے یہ گنجائش نہیں کہ وہ مذکورہ اصول کا سہارا لے کر ان ثابت شدہ احادیث کو مسترد کرنے کی جسارت کریں' جو ایسے راویوں سے

عام وخاص سائلان بارگاہ الٰہی کا حق خود وصول کرنا چاہتا ہے' اور اللہ سے اُس کا سوال کر رہا ہے۔
منکرین وسیلہ کے خیال فاسد کی حقیقت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب بعد کے الفاظ بھی پیش نظر ہوں' اس جملہ کے بعد اس پر یہ جملہ معطوف ہے "وَاَسْأَلُکَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا الخ۔ کیا یہاں بھی وہ کہیں گے کہ بندہ دعا کر رہا ہے کہ میں اپنے اس چلنے کا حق مانگتا ہوں؟
منکرین اپنے خیال فاسد کی تائید کے لیے مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ سوال ہے تو کوئی مسؤل ومطلوب ہونا ضروری ہے اور حق سائلین کے علاوہ حدیث میں اور کچھ مذکور ہی نہیں' جسے سوال کا مطلوب بنایا جا سکے' اس لیے وہی مطلوب ہے۔
ان کی یہ بات سخت مضحکہ خیز اور نہایت خندہ انگیز ہے گویا ان کو اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ نظر ہی نہیں آتا۔ حق سائلین اور اپنی پیادہ روی کے وسیلہ سے وہ یہی سوال کر رہا ہے کہ "مجھے دوزخ سے پناہ دے' میرے گناہوں کو بخش دے"...... یہ صراحت حدیث میں موجود ہے اور "اَسْأَلُکَ" تکرار تاکید کے لیے ہے اور تاکید کے لیے فعل کی تکرار کوئی نادر چیز نہیں۔ کلام عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں...... تو فعل اخیر سے جو مطلوب ہے وہی پہلی دونوں فعلوں سے بھی مطلوب ہے بالفرض! یہ افعال تاکید والے نہ ہوتے تو بھی یہی مفعول اخیر سب کا مفعول بن جاتا۔ اور تمام افعال کا اسے معمول بنانے میں تنازع ہوتا' جو نحو اور زبان کا معروف قاعدہ ہے...... الحاصل! اس مفعول اخیر سے سابقہ افعال کا تعلق بہر تقدیر معتبر اور ملحوظ ہے۔
وسیلہ لینے کو ناجائز بنانے کے لیے کچھ لوگ یہ خیال فاسد قائم کرتے ہیں کہ غیر خدا کو بارگاہ خدا کے لیے وسیلہ بنانا غیر اللہ کی قسم کھانے کے مترادف ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے' اس لیے توسل بھی حرام ہے۔
اس خیال کے تحت توسل کی تردید کرنے والے درحقیقت مصطفیٰ ﷺ کی تردید کرنا چاہتے ہیں' اس لیے کہ خود سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ہی تو توسل کے یہ الفاظ اور صیغے تعلیم فرمائے ہیں اور غیر خدا سے وسیلہ لیتے ہوئے دعا اپنی امت کو بتائی ہے۔ سرکار کے بتائے ہوئے کلمات اور دعاؤں میں اشخاص کا وسیلہ موجود ہے...... افسوس کہ ان منکرین کو توسل اور قسم کے عظیم تفاوت کی بھی تمیز نہیں۔ کہاں غیر خدا کو بارگاہ خدا میں کہاں غیر خدا کو بارگاہ خدا میں وسیلہ بنانا اور کہاں غیر خدا کی قسم کھانا؟
اس مقام پر ہم استعانت اور استغاثہ کے موضوع پر بھی مختصر گفتگو کرتے چلیں' تو کوئی

حرج نہیں کیونکہ یہ موضوع بھی وسیلہ سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ بخاری کی حدیث شفاعت کے الفاظ یہ ہیں۔

اِسْتَغَاثُوْا بِاٰدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰی ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

محشر کے دن لوگ حضرت آدم سے مدد مانگیں گے' پھر حضرت موسیٰ سے' پھر محمد ﷺ سے فریاد کریں گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ توسل کے سلسلہ میں استغاثہ (فریاد خواہی) کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

رہی طبرانی کی روایت لایستغاث بی کے الفاظ' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں۔ ہم نے ''الاشفاق'' میں ان کا حال تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ روایت صحیح حدیث کے مقابل نہیں ہو سکتی۔

اب رہی یہ حدیث ''وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ'' ایک تو اس حدیث کی تمام سندوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے' دوسرے یہ کہ اس کا حقیقی اور مجازی معنی یہ ہوگا۔

عِنْدَ اِسْتِعَانَتِکَ بِاَیِّ مُسْتَعَانٍ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ

کسی بھی مستعان سے مدد لینے کے وقت' خدا سے مدد طلب کرو۔

اس معنی کے تحت حدیث پاک سے استعانت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مستعان حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور صاحب ایمان کی شان یہی تو ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مسبب الاسباب کو نہیں بھولتا۔

یہ دیکھیں حضرت عمرؓ کو جب انہوں نے بارش کے لیے حضرت عباسؓ کا وسیلہ لیا تو ''اَللّٰھُمَّ فَاسْقِنَا'' کے الفاظ کہنا نہ بھولے' اور یہی اسلامی ادب ہے۔ اگر حدیث کا یہ معنی نہ لیا جائے تو معنی مجازی لینا ہوگا اور متعدد آیات و احادیث کے خلاف ہوگا' ساتھ ہی حدیث کا لفظ اِذَا (جب) کُلَّمَا (جب جب) کے معنی میں نہیں' بلکہ اہل منطق کے نزدیک یہ شرطیہ مہملہ کے الفاظ سے ہے۔ اس کے مطابق خصم کے لیے اس سے دلیل قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

اس پر مزید یہ کہ خطاب بھی واحد کے لیے ہے' یعنی ایک صحابی خاص کو مخاطب کر کے سرکار نے یہ فرمایا ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ خاص لوگوں کے لیے ہے۔ ابن عباسؓ بھی ایک خاص بندے ہیں' ایسے مقربان بارگاہ الٰہی کے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ حضرات مسبب الاسباب اللہ سے

مدد مانگا کریں۔

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ○

ہم تجھ سے ہی مدد مانگیں۔

یہ استعانت آیت کے سیاق وسباق کے مطابق عبادت اور ہدایت کے سلسلہ میں ہے۔ رب تعالیٰ سے مناجات کے دوران یہی مناسب بھی ہے اگر اس کا عام اور مطلق معنی لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ بندہ کسی بھی کام میں کسی بھی غیر خدا سے مدد نہ لے جب کہ ہر شخص ہزار ہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے' اس لیے آیت کے معنی مطلق کو لے کر اگر مطلقاً استعانت کو شرک کہیں تو تقریباً سارے بندگان خدا کو مشرک قرار دینا اور اسباب دنیا کو معطل وبیکار کرنا لازم آئے گا۔

ہمارے ایک مخلص دوست صاحب تصانیف مفیدہ علامہ شیخ محمد حسنین عدوی مالکیؒ نے زیر بحث موضوع وسیلہ پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں اور ان میں فکر ابن تیمیہ سے متاثر افراد کے شبہات کا ازالہ کردیا ہے۔ ان کا انداز بیان بھی خوب ہے اور تحقیق بھی خوب ہے۔ ان کا مقام علم بالاتفاق ان لوگوں کے شیوخ المشائخ سے بھی درجوں بلند ہے۔

اصحاب قبور میں قوت سماعت قوت ادراک پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے کی خاصی تفصیل محدث عبدالحئی لکھنوی نے ''تذکرۃ الراشد'' میں رقم کی ہے۔

رہی یہ روایت ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ'' محققین کے نزدیک اس آیت میں اصحاب قبور سے مراد مشرکین ہیں...... اس مقام پر بعض دیگر تحقیقات بھی ہیں' لہٰذا کسی کو کسی طرح کے مغالطے میں نہ آنا چاہیے۔

مذکورہ آیات واحادیث سے بالکل روشن ہوگیا کہ انبیاء' اولیاء اور صلحاء کے وسیلہ کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی معمولی دلیل بھی نہیں اور وسیلہ کو جائز ماننے والے اہل ایمان کو مشرک گردانتا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رہے بعض عوام جو توسل وزیارت کے آداب کما حقہ ملحوظ نہیں رکھتے' ایسوں کے لیے اہل علم پر فرض ہے کہ ان کو متانت وسنجیدگی سے سمجھائیں۔ صدیوں سے امت توسل وزیارت پر کاربند رہی۔ اس کے انکار کی بدعت ابن تیمیہ حرانی نے پھیلائی۔ اس وقت کے علماء نے اس بدعت کا قلع قمع کردیا تھا' اس پر بھرپور نکیر کی اور متعدد تحقیقی رد بھی لکھے...... لیکن ابن تیمیہ کی بلاؤں

سے بے خبر اس سے متاثر افراد میں آج بھی یہ فتنہ پایا جا رہا ہے...... تفسیر روح المعانی میں آلوسی نے اور اس تفسیر میں تصرف کرنے والے ان کے بیٹے نے اس موضوع پر بعض غلط بحثیں لکھ ڈالی ہیں۔ مذکورہ دلائل ان کی تردید کے لیے کافی ہیں۔

یہ دونوں ہی باپ بیٹے بعض مسائل میں اضطراب و انتشار کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ ان کے اپنے پڑوسیوں اور اپنے بعض اساتذہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے' یہاں ان سب باتوں کی تفصیل کا موقع نہیں۔

خیر الخلق محمد رسول اللہ ﷺ سے وسیلہ لینے میں امت مسلمہ کا دستور کیا رہا ہے' اس کی تفصیل کے لیے امام ابو عبداللہ بن نعمان محمد بن موسیٰ تلمسانی مالکی متوفی ۶۸۳ھ کی کتاب "مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيْثِيْنَ بِخَيْرِ الْأَنَام" کا مطالعہ کیا جائے...... یہ کتاب "دار الکتب المصریہ" کے نوادرات سے ہے۔

یہ تحریر انصاف پسندوں کے لیے کافی ہے۔

مفہوم توسّل

فضیلت الشیخ، آفتاب علم وحکمت

حضرت السید محمد بن علوی مالکی دامت برکاتہم العالیہ

مکہ مکرمہ

مفہومِ توسّل

بہت سے لوگ حقیقت توسل کے سلسلے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے ہم توسل صحیح کے مفہوم پر اپنا نقطۂ نظر واضح کر رہے ہیں اور اس سے پہلے یہ چند حقائق بیان کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ توسل دراصل باب رحمت الٰہی پر دستک دینے اور اللہ کی بارگاہ میں دعاء کرنے کا ایک طریقہ ہے مقصود حقیقی اللہ سبحنہ و تعالیٰ ہے اور جس کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے وہ تقرب الٰہی کا ایک وسیلہ اور واسطہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اعتقاد رکھنا شرک ہے۔

۲۔ توسل کرنے والا اپنے اس واسطہ کو محض بر بنائے محبت اختیار کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس واسطہ سے محبت ہے اور اس کا وسیلہ اسے محبوب ہے اور اگر اس توسل کرنے والے کی نظر میں یہ ربطِ محبت نہ ہو تو وہ اس واسطہ سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں رکھ سکتا۔

۳۔ اگر توسل کرنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی بارگاہ میں وہ جس شخصیت کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کے اندر بذات خود نفع وضرر کی قدرت ہے یا اس طرح کا کوئی اعتقاد ہو تو یہ شرک ہے۔

۴۔ توسل کوئی لازم یا ضروری چیز نہیں ہے۔ اور مقبولیت دعاء اسی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ مطلقاً اللہ سے دعاء کی جائے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (بقرہ۔۱۸۶)

اور جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَا تَدْعُوا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

(اسراء۔۱۱۰)

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

متفق علیہ توسل

اللہ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ سے توسل کے جواز و استحباب کے بارے میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔ جو شخص بھی نماز پڑھتا ہے یا روزے رکھتا ہے یا تلاوت قرآن کرتا ہے یا صدقہ وخیرات کرتا ہے۔ وہ اپنے صوم وصلوٰۃ و تلاوت و صدقہ کو وسیلہ بناتا ہے۔[1] بلکہ یہ توسل حصول مقصود اور مقبولیتِ دعا کے لیے اتنا موثر اور زیادہ قابل اعتماد ہے کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں۔

---

[1] حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۱ء مدفون جنۃ البقیع مدینہ منورہ) سے ایک نجدی قاضی نے مسئلہ توسل پر بحث کی اور سوال کیا کہ جواز توسل پر آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کیجئے۔ ضیائے مدینہ حضرت مہاجر مدنی، جو ایک متبحر عالم، عارف باللہ، متبع سنت اور عاشق رسول بھی تھے۔ مدینہ میں مرنے کی تمنا لیے پچھتر سال تک گنبد خضراء کی چھاؤں میں باب مجیدی نزد مسجد نبوی مدینہ طیبہ کے اندر عشق وایمان کی محفل سجاتے رہے اور سو سال سے زائد عمر پاکر خاک مدینہ کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے محو استراحت ہو گئے۔ انہوں نے جواز توسل کی یہ قرآنی دلیل پیش کی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ. (الآیۃ)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

نجدی قاضی نے کہا۔ اس میں اعمال صالحہ کا وسیلہ مراد ہے۔

حضرت مدنی نے برجستہ سوال فرمایا۔ ہمارے اعمال مقبول ہیں یا مردود؟ یہ سوال سن کر وہ مبہوت ہو گیا اور کہنے لگا کہ اعمال مقبول بھی ہو سکتے ہیں مردود بھی اس لیے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت مدنی نے پھر سوال فرمایا۔ اللہ کے رسول حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں یا نہیں؟

اس نجدی قاضی نے جواب دیا۔ یقیناً وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اعمال صالح جن کی مقبولیت مشکوک ہے ان کا وسیلہ اس آیت کی روشنی میں جائز ہے تو پھر سید عالم ﷺ کا وسیلہ کیوں جائز نہیں جو بارگاہ الٰہی میں یقیناً قطعاً حتماً مقبول ہیں؟

یہ واقعہ میں نے باب مجیدی مدینہ منورہ میں حضرت مدنی کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن قادری مدنی سے ۱۹۸۳ء میں خود سنا ہے۔ (یٰس اختر مصباحی)

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں تین افراد کا یہ واقعہ مذکور ہے۔

تین آدمی غار کے اندر تھے۔اوپر سے غار بند ہو گیا۔اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک نے والدین کے ساتھ اپنے حسن سلوک اور نیکی کو وسیلہ بنایا۔

دوسرے شخص نے بدکرداری پر قدرت رکھنے کے باوجود اس سے دور رہنے کو اپنا وسیلہ بنایا۔

تیسرے نے اپنی امانت و دیانت کو وسیلہ بنایا۔اور رب کائنات نے ان کی یہ مشکل آسان فرمادی۔(صحیح بخاری)

اس توسل کو شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب بالخصوص قاعدة جليلة فى التوسل والوسيلة میں دلائل اور تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اختلاف کی بنیاد

اختلاف کی بنیاد یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ توسل کرنے والا اپنے عمل کے علاوہ کسی اور سے توسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

مثلاً ذوات و شخصیات کو وسیلہ بنا کر یہ کہنا۔اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا عثمان غنی رضی اللہ عنہ یا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

کچھ لوگ اس وسیلہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

مخالفین کا یہ اختلاف جوہری نہیں بلکہ محض صورۃً ہے۔اس لیے کہ ذات کا توسل درحقیقت اس کے اپنے عمل کا توسل ہے۔اور عمل کے توسل پر سب کا اتفاق ہے۔

اگر مانعین توسل دقتِ نظر اور بصیرت کے ساتھ مسئلہ توسل پر غور کریں تو ان کو اصل حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گی۔ ان کا اشکال رفع ہو جائے گا۔اور مسلمانوں پہ شرک و گمراہی کا حکم لگانے والا فتنہ ختم ہو جائے گا۔

میں ابھی بیان کروں گا کہ دوسروں سے توسل کرنے والا شخص درحقیقت اپنے ہی عمل سے توسل کررہا ہے اور وہ عمل خود اس کا اکتسابی ہے۔

غور کیجئے! جو شخص دوسرے شخص سے توسل کررہا ہے اس کے یہ وجوہ ہو سکتے ہیں۔

توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنارہا ہے وہ اس کے حسن ظن کے مطابق نیک ہے' ولی ہے' صاحب فضل وشرف ہے۔

یا توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنارہا ہے اسے اللہ عزوجل سے محبت ہے اور اللہ کی راہ میں شب وروز نیک کام کررہا ہے۔

یا توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنارہا ہے اسے اللہ کے یہاں درجۂ محبوبیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ اللہ ان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یا توسل کرنے والا شخص جس شخص کو وسیلہ بنارہا ہے اس کے بارے میں مذکورہ تمام امور کا اعتقاد رکھنے والا ہے۔

تدبّر سے کام لیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ توسل کرنے والے شخص کا دل جو اس بات پر مطمئن ہے کہ وہ جسے اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنارہا ہے وہ اللہ کا محب یا محبوب ہے یا اسے یہ دونوں درجے حاصل ہیں۔ یہ محبت اور ایسا اعتقاد خود توسل کرنے والے شخص کا عمل خیر ہے جو اس کی طرف منسوب ہے۔ وہ خود اس کا مسئول ہے اور اسے ہی اس کا اجر وثواب بھی ملے گا۔ گویا توسل کرنے والا شخص بارگاہ الٰہی میں اپنا یہ عریضہ پیش کررہا ہے۔

اے میرے رب! میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ وہ تجھ سے محبت رکھتا ہے۔ وہ دل سے تیری طرف متوجہ ہے اور تیری راہ میں روز وشب لگا ہوا ہے۔ اور

میرا اعتقاد ہے کہ تو بھی اسے محبوب رکھتا ہے اور اس سے راضی ہے۔ اس لیے میں اپنی اس محبت و اعتقاد کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا رہا ہوں کہ تو میری فلاں مراد پوری فرما۔

اکثر توسل کرنے والے اس ترتیب کی اس بنیاد پر اور اس وجہ سے تصریح نہیں کر پاتے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی دعاء اس بارگاہ میں ہو رہی ہے جس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر اشارۂ چشم اور راز قلب سے خوب واقف ہے۔

توسل کے یہ دونوں طریقے اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں۔

اے اللہ! میں تیری نبی کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔ یا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تیرے نبی کے ساتھ اپنی محبت کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

اس لئے کہ پہلی شکل میں اس کا توسل اسی لیے ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ اگر یہ ایمان و محبت نہ ہو تو وہ توسل ہی نہ کرے۔

دوسرے انبیاء و اولیاء و صالحین و ابرار کے ساتھ توسل کرنے کی حقیقت کے بارے میں بھی یہی بات کہی جائے گی۔

دلائل توسّل

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (مائدہ۔۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو۔

تعریف وسیلہ! ہر وہ چیز جسے اللہ نے اپنے تقرب کا سبب اور ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ بنایا ہو۔

مدار وسیلہ! اللہ کی بارگاہ میں اس وسیلہ کی کچھ قدر و منزلت ہو۔

آیت کے اندر وسیلہ عام ہے۔ ذوات وشخصیات و اعمال صالحہ دونوں کو شامل ہے۔ انبیاء و صالحین و اولیاء امت سے ان کی حیات میں یا بعد الممات توسل ہو یا شرعی طریقہ پر انجام دیئے گئے اعمال صالحہ سے توسل ہو۔ یہ دونوں طریقے نہ صرف جائز بلکہ مامور و مشروع ہیں۔

آئندہ صفحات میں جو احادیث و آثار درج کی جا رہی ہیں۔ انہیں دلجمعی کے ساتھ پڑھئے تو یہ عموم توسل ظاہر ہو جائے گا اور آپ دیکھ لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہر جگہ اور ہر وقت ثابت ہے۔

تخلیق سے پہلے' ولادت کے بعد' موت کے بعد مدتِ برزخ' یوم نشر و حشر ہر دور اور ہر زمانہ میں آپ سے توسل کیا گیا اور کیا جاتا رہے گا۔

توسل بالنبی الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی کریم سے ابوالبشر آدم کا توسل: حدیث میں وارد ہے کہ آدم علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا۔ چنانچہ حاکم نے المستدرک میں لکھا۔

ہم سے ابوسعید عمرو بن محمد بن منصور العدل نے' ان سے ابوالحسن محمد بن اسحٰق بن ابراہیم الحنظلی نے' ان سے ابوالحارث عبداللہ بن مسلم الفہری نے' ان سے اسمٰعیل بن مسلمہ نے حدیث بیان کی۔ ان سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے' ان کے دادا نے' ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی۔ انہوں نے کہا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب : اسالک بحق محمد لما غفرت لی. فقال الله يا آدم و كيف عرفت محمدا و لم اخلقه؟ قال يارب لانک لما خلقتن بيدک و نفخت فی من روحک رفعت راسس فرأيت علیٰ قوائم العرش مكتوبا لا اله الا الله محمد رسول الله. فعلمت انک لم تصنف الیٰ اسمک الا احب الخلق اليک. فقال الله صدقت يا آدم انه لاحب الخلق الی. ادعنی بحقه فقد غفرت لک. ولولا محمد ما خلقتک

اخرجه الحاكم فی المستدرک و صححه ج ۲. ص ۲۵۱. ورواه الحافظ السيوطی فی الخصائص النبوية و صححه. ورواه البيهقی فی دلائل النبوة وهو لايروی الموضوعات كما صرح بذلک فی مقدمة كتابه و صححه ايضاً القسطلانی

والزرقانی فی المواهب اللدنية ۲ ص ۶۲ والسبکی فی شفاء السقام. قال الحافظ الهيثمی : رواه الطبرانی فی الاوسط و فيه من لم اعرفهم. مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو عرض کیا اے رب! میں بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ سے اپنی مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ انہیں تو میں نے پیدا ابھی نہیں کیا ہے۔

آدم نے عرض کیا۔ اے رب! میں نے اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بس میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اپنے سب سے محبوب بندے کا ہی نام منسلک کر رکھا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا۔ وہ میرے سب سے محبوب بندے ہیں۔ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے دعا کرو تمہیں بخش دیا جائے گا۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پیدا کرتا۔

ابن عباس سے مروی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فلولا محمد ما خلقت ادم والا الجنة والاالنار.

رواه الحاكم فی المستدرک ۲ ص ۶۵۱ وقال صحيح الاسناد. وصححه شيخ الاسلام البلقينی فی فتاواه. ورواه ايضا الشيخ ابن الجوزی فی الموفافی اول کتابه. ونقله ابن کثير فی البداية ج ۱ ص ۱۸۰)

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو اور نہ ہی جنت و دوزخ کو پیدا فرماتا۔

بعض علماء نے اس سلسلے میں اختلاف کیا ہے۔ درجۂ حدیث پر کلام کر کے اسے ناقابل قبول اور موضوع قرار دیا ہے۔ ایسے علماء میں حافظ ذہبی وغیرہ ہیں۔ بعض نے اسے ضعیف حدیث قرار دیا ہے۔ بعض نے اس پر نکارت کا حکم لگایا ہے۔ ان باتوں سے ظاہر یہ ہے کہ علماء کی رائیں مختلف ہیں کسی ایک حکم پر اتفاق نہیں۔ درجۂ حدیث میں اس اختلاف کی وجہ سے اس مسئلہ کے اثبات و نفی، رد و قبول اور توقف پر بحث چلتی رہتی ہے۔

لیکن یہ بات سند اور ثبوت حدیث کے اعتبار سے ہے۔ رہ گئی بات اس کے مفہوم و معنی کی تو یہاں شیخ ابن تیمیہ ہی کی باتیں آپ سن لیجئے۔

شیخ ابن تیمیہ کا موقف

اس موضوع پر شیخ ابن تیمیہ نے ان دو حدیثوں کی روایت بیان کر کے ان سے استشہاد کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔

ابو الفرح ابن الجوزی نے میسرہ تک اپنی سند کی روایت بیان کی۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ کب نبی ہوئے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

لما خلق اللہ الارض واستوىٰ الی السماء فسواھن سبع سمٰوات. و خلق العرش کتب علیٰ ساق العرش محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء. و خلق اللہ الجنۃ التی اسکنھا ادم و حوا. فکتب اسمی علی الابواب والاوراق والقباب والخیام و ادم بین الروح والجسد. فلما احیاء اللہ تعالیٰ نظر الی العرش فرأی

اسمی فاخبره الله انه سید ولدک فلما غرهما الشیطن تابا و استشفعا باسمی الیه.

اللہ نے جب زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کا قصد فرمایا تو اسے برابر سات آسمان بنائے اور عرش پیدا فرمایا۔ ساق عرش پر اس نے لکھا۔ محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء اور اللہ نے وہ جنت پیدا فرمائی جس میں آدم وحوا کو رکھا تو میرا نام اس کے دروازوں، پتوں، قبوں اور خیموں پر لکھا۔ اس وقت آدم روح وجسم کے درمیان تھے۔ اللہ نے جب ان کے اندر روح ڈالی تو انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو میرا نام دیکھا۔ پھر اللہ نے انہیں بتلا دیا کہ یہ تیری اولاد کے سردار ہیں۔ اس کے بعد جب شیطان نے دونوں کو لغزش میں ڈال دیا تو ان دونوں نے توبہ کیا اور اللہ کے دربار میں میرا نام لے کر اپنی بخشش کی دعاء کی۔

اور ابونعیم الحافظ نے دلائل النبوۃ میں روایت بیان کی۔ بطریق شیخ ابوالفرج ہم سے سلیمان بن احمد نے، ان سے احمد بن رشید نے، ان سے احمد بن سعید الفہر ی نے، ان سے عبداللہ بن اسمٰعیل المدنی نے، ان سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے، ان سے ان کے باپ نے، ان سے عمر بن خطاب نے حدیث بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لما اصاب ادم الخطیئة رفع رأسه فقال. یارب. بحق محمد الاغفرت لی. فاوحیٰ الیه و ما محمد و من محمد؟ فقال یا رب انک لما اتممت خلقی رفعت رأسی الی عرشک فاذا علیه مکتوب لا اله الا الله محمد رسول الله فعلمت انه اکرم خلقک علیک اذقرنت اسمه مع اسمک فقال نعم. قدغفرت لک وهوأخر الانبیاء من ذریتک و لولاه ماخلقتک.

جب آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا اے رب! بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مغفرت فرما۔تو ان سے پوچھا گیا کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ کیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟

آدم نے عرض کیا۔اے رب! جب تو نے میری مکمل تخلیق فرمالی تو میں نے اپنا سر عرش کی طرف اٹھایا۔اور اس پر میں نے یہ لکھا پایا۔لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

بس میں نے جان لیا کہ وہ تیرے سب سے اچھے اور صاحب شرف بندے ہیں اسی لیے تو نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے۔رب نے فرمایا ہاں! میں نے تجھے بخش دیا۔وہ تیری نسل میں سب سے آخری نبی ہیں۔اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پیدا کرتا۔

یہ حدیث پہلی حدیث کی تائید کرتی ہے۔اور یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تشریح کی طرح۔من الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۰ للشیخ ابن تیمیة.

میں کہتا ہوں کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مذکور شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک لائق اعتبار و استشہاد ہے۔کیوں کہ حدیث موضوع یا باطل محدثین کے نزدیک قابل استشہاد نہیں۔اور یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ نے حدیث مذکور سے تشریح پر استشہاد کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے توازن کے ساتھ اس مسئلے پر بہت عمدہ کلام کیا ہے۔انہوں نے اس وقت کے اپنے علم کے مطابق اس معنی کی کسی حدیث نبوی کے وجود کا اگر چہ انکار کیا ہے مگر پھر پلٹ کر معنی کی تائید کی اور اس کی معقول توضیح و تشریح کی۔اور اس میں ثابت کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وجہ وجودِ عالم و آدم و باعثِ تخلیقِ و آسمان کہنا صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے اس قول میں ان لوگوں کا رد بلیغ ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسا

کہنا شرک یا کفر ہے یا یہ معنی فاسد و باطل ہے۔ یا اس سے مقام توحید و تنزیہہ پر کچھ حرف آتا ہے۔ ایسا گمان کرنے والوں کا گمان محض ہوا و ہوس' اندھا پن' کج فہمی اور کوتاہ عقلی ہے۔

اللہ ہماری بصیرت کو روشن کرے۔ ہمیں حق و صواب پر چلائے **وھو الھادی الی سواء السبیل.**

شیخ ابن تیمیہ نے فتاویٰ ج ۱۱ص ۹۶ پر کہا۔

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سید اولاد آدم اور اللہ کے نزدیک ساری مخلوقات میں سب سے افضل و اکرم ہیں۔

اسی لئے کہنے والوں نے کہا ہے۔ اللہ نے آپ ہی کی وجہ سے عالم کی تخلیق فرمائی۔ یا یہ کہا کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نہ عرش پیدا کرتا نہ کرسی' نہ آسمان نہ زمین' نہ شمس و قمر۔

لیکن یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔ نہ صحیح نہ ضعیف۔ اور محدثین میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت نہیں نقل کی ہے۔ اور یہ آثار صحابہ میں سے بھی نہیں۔ اس کے کہنے والے کا کچھ پتہ نہیں کہ کس کا یہ کلام ہے۔ البتہ اس کی صحیح توجیہ ممکن ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (حاشیہ۔۱۳)

اللہ نے اپنے حکم سے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا.

(ابراہیم ۳۳۔۳۷)

اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اللہ کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے لیے ندیاں مسخر کیں۔ اور تمہارے لیے سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لئے رات اور دن مسخر کئے اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا۔ اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو۔

اسی طرح کی دوسری آیات جن میں بیان کیا گیا ہے کہ ساری مخلوقات کی تخلیق اولاد آدم کے لئے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ان مخلوقات کی تخلیق میں اس نے بڑی دوسری عظیم حکمتیں بھی پوشیدہ ہیں۔ لیکن ان کے اندر جو منافع اور نعمتیں ہیں وہ سب بنی آدم کے لیے بیان کی گئیں۔

جب یہ کہا جائے فلاں کام فلاں وجہ سے ہوا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کوئی دوسری حکمت نہیں۔ اسی طرح کہنے والے کا یہ کہنا کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو فلاں نہ پیدا کیا جاتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں دوسری بڑی حکمتیں نہیں ہیں۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اولاد آدم میں افضل صالحین ہیں اور آپ کی تخلیق ایسی غایت مطلوبہ اور حکمت بالغہ ہے جو دوسروں سے بڑھ کر ہے تو ساری تخلیقات اور نہایت کمال کا حصول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوا۔

(فتاوی شیخ ابن تیمیہ)

دخول جنت اور فضیلت اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو خصوصی فضل وکرم ہے اس کی ایک مثال وہ حدیث مبارک ہے جس میں وارد ہے کہ جنت انبیاء کرام پر اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہ ہو جائیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔

جنت انبیاء پر حرام ہے اور امتوں پر حرام ہے جب تک میری امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔(رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال الھیثمی اسنادہ حسن. مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۹.)

آپ پر اللہ کے خصوصی فضل کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ کا اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملاء اعلیٰ میں مشہور معروف ہے۔

کعب احبار کہتے ہیں۔آدم علیہ السلام نے شیث علیہ السلام سے ارشاد فرمایا۔ میرے بیٹے! تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو تو اسے بناء تقویٰ اور مضبوط سہارا بناؤ۔اور جب بھی اللہ کو یاد کرو اس کے ساتھ محمد (ﷺ) کا نام بھی لو۔میں نے ان کا نام ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے۔اور اس وقت میں روح و آب وگل کے درمیان تھا۔ پھر میں نے آسمانوں کی سیر کی تو وہاں ہر جگہ نام محمد (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا۔اور مجھے میرے رب نے جنت میں رکھا تو جنت کے ہر محل اور کمرہ پر نام محمد (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا۔حوروں کے گلے پر، جنت کے درختوں کے پتوں پر، شجر طوبیٰ کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر۔ پردوں کے کناروں پر، ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان نام محمد (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا۔اس لیے انہیں خوب یاد کرو ملائکہ ہر وقت ان کا ذکر کرتے ہیں۔اھ۔

المواھب اللدنیة ج ۱ ص ۱۸۶. قال الزرقانی فی شرحه رواه ابن عساکر.

شیخ ابن تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اسی طرح بیان کیا ہے اور کہا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر جنت کے ابواب وقبوں اور پتوں پر نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہے۔

اس سلسلے میں اور کئی آ ثار کی روایت ہے جو ان احادیث ثابتہ کے مطابق ہیں جن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام اور آپ کے ذکر کی رفعت و بلندی کا روشن بیان ہے۔ اور ابن الجوزی نے میسرہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ کب نبی ہوئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ لما خلق اللہ الارض واستوىٰ الى السماء الخ. الفتاوىٰ ج ۲ ص . ۱۵۰.

فتاویٰ شیخ ابن تیمیہ سے منقول یہ پوری حدیث ابھی چند سطور پہلے گزری۔

حدیث توسل آدم کے فوائد اور حاصل بحث

یہ حدیث ابھی بیان کی گئی کہ اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے ہی آدم علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ صحت توسل کا مدار یہ ہے کہ جسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے اسے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں قدرت و منزلت حاصل ہو۔ اور اس توسل میں اس کی کوئی شرط نہیں کہ وہ اس دنیا میں موجود ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ توسل اسی وقت جائز ہے جب وسیلہ بنایا جانے والا شخص اس دنیا میں زندہ ہو۔ ان کی یہ رائے اللہ کی ہدایت سے خالی اور محض اتباع نفس ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماؤ ائمہ وحفاظ حدیث مثلاً حاکم و سیوطی و سبکی و بلقینی جو سنت نبوی کے امین اور عالی مرتبت مشہور شخصیات ہیں انہوں نے حدیث توسل آدم کو نقل کیا ہے۔ و صححه.

بیہقی جو موضوعات نقل نہیں کرتے اور جن کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ علیک به فانه کله هدى ونور. اس امام بیہقی نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ کذا فی شرح المواهب وغیرہ۔

اسے ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں ذکر کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اس سے استشہاد کیا ہے۔

کچھ علماء کا اسے قبول کرنا اور کچھ کا رد کردینا کوئی ایسی نادر بات نہیں ہے۔ بہت سی احادیث نبویہ میں اس سے زیادہ اختلاف واقع ہوا ہے اور اس سے زیادہ ان پر نقد و جرح بھی ہے۔

اور اسی اختلاف کی وجہ سے حدیث کے موضوع پر ضخیم کتابیں بھی تالیف کی گئیں۔ جن میں استدلات وتعقبات ومراجعات ومواخذات سب ہیں۔

لیکن کسی حدیث کے درجہ وسند میں اختلاف کے باوجود دائرۂ ایمان سے خارج کرنے اور شرک وکفر وگمراہی کا حکم لگانے کا کام نہیں ہوا۔ اس حدیث کو بھی اسی طرح کی احادیث میں شمار کرلینا چاہیے۔

توسل یہود بالنبی الکریم (ﷺ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ.** (بقرۃ۔۸۹)

اور جب ان کے پاس وہ کتاب (قرآن) اللہ کی آئی جو ان کے پاس والی کتاب (توریت) کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس سے پہلے وہ اس نبی (خاتم) کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ تو جب جانا پہچانا نبی ان کے پاس آیا تو اس سے منکر ہوگئے۔ منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

قرطبی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا۔

ولما جاء هم. یعنی یہود۔ کتاب۔ یعنی قرآن۔ **من عند الله مصدق.**

کتاب کی صفت ہے۔ اور غیر قرآن میں بر بنائے حالیت نصب جائز ہے۔ مصحف ابی میں نصب کے ساتھ ہی مروی ہے۔ لما معھم. یعنی نصرت و مدد چاہتے تھے۔ استفتاح، استصار کو کہتے ہیں استفتحت بمعنی استنصرت ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکین مہاجرین سے استفتاح کرتے تھے۔ یعنی ان کی نماز و دعاء سے مدد چاہتے تھے۔

اور یہ بھی ہے۔ اللہ جلد ہی فتح دے گا یا اس کے پاس سے کوئی حکم آئے گا۔ نصر۔ کسی بند چیز کو کھولنا۔ جیسے اہل عرب کا قول ہے۔ فتحت الباب. میں نے دروازہ کھولا۔

اور نسائی نے روایت نقل کی ہے۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ انما نصر اللہ ھذہ الامۃ بضعفائھم بدعوتھم وصلوتھم و اخلاصھم اللہ نے اس امت کی مدد اس کے کمزور لوگوں کے ذریعہ کی ہے۔ ان کی نماز و دعاء اور ان کے اخلاص کی برکت سے۔

نسائی نے یہ بھی روایت نقل کی ہے۔ ابوالدرداء سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

فانکم انما تنصرون و ترزقون بضعفائکم. تمہارے کمزوروں کے ذریعہ تمہاری نصرت ہوتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

ابن عباس نے کہا۔ خیبر کے یہودیوں کی قبیلہ غطفان سے جنگ تھی۔ جنگ میں قبیلہ غطفان نے یہودیوں کو شکست دے دی تو یہودیوں نے یہ دعاء کی۔

انا نسألک بحق النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی اٰخر الزمان ان تنصرنا علیھم.

جنگ کے وقت اس دعاء توسل کی برکت سے یہودیوں نے قبیلہ غطفان کو

شکست دے دی۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے کفرو انکار کیا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ **وکانوا من قبل یستفحون علی الذین کفروا.** یعنی تم سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! **الی قولہ. فلعنة اللہ علی الکافرین** (تفسیر القطبی ج ۲ ص ۲۶ و ص ۲۷)

توسل بالنبی درحیات وبعد وصال

عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ ایک نابینا شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی بینائی جاتے رہنے کی شکایت کی اور عرض کیا یارسول اللہ! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں اور مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وضوخانہ جاکر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو۔

اللھم انی اسالک و اتوجہ الیک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجہ الی ربک فیجلی لی عن بصری. اللھم شفعہ فی و شفعنی فی نفسی

اے اللہ! میں تجھ سے دعاء کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے صدقہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرے وسیلہ سے تیرے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں کہ وہ میری آنکھ روشن کردے۔

اے اللہ! میرے حق میں ان کی سفارش قبول فرما اور میرے حق میں میری دعاو سفارش قبول فرما۔

عثمان بن حُنیف کہتے ہیں واللہ ہم ابھی جدا نہیں ہوئے تھے نہ کوئی لمبی بات ہی ہم نے ابھی کی تھی کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس اس طرح آیا جیسے وہ کبھی نابینا ہی نہیں تھا۔

قال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه. وقال الذهبي عن الحديث انه صحيح ج ا ص ۵۱۹. وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح غريب لانعرفه الامن هذا الوجه. من حديث ابی جعفر و هو غير الحطمی. ذكره فی اخر السنن فی ابواب الدعوات. قال المنذری و رواه ايضا النسائی و ابن ماجه و ابن خزيمه فی صحيحه. كذا فی الترغيب كتاب النوافل باب الترغيب فی صلوٰة الحاجة ج ا ص ۴۳۸۔

یہ توسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ یہ صیغۂ توسل بعض صحابہ کرام نے آپ کے وصال کے بعد بھی استعمال کیا ہے۔

طبرانی نے مذکورہ حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے شروع میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو یہ ہے۔

ایک شخص دربار عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں کئی بار آیا گیا لیکن آپ کی اس کی طرف نہ توجہ ہو سکی نہ اس کی ضرورت پوری ہوئی۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف سے مل کر اپنا یہ ماجرا سنایا۔

عثمان بن حنیف نے اس سے کہا۔ تم وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد یہ دعاء کر کے عرض حاجت کرو۔

اللهم انی اسالک واتوجه اليک بنبينا محمد صلی الله عليه وسلم نبی الرحمة. يا محمد انی اتوجه بک الی ربک فيقضی حاجتی.

اس شخص نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ پھر دربار عثمان بن عفان میں حاضر ہوا۔ دربان اس کے قریب آیا اور اس نے ہاتھ پکڑ کر اس شخص کو عثمان بن عفان کے پاس پہنچا

دیا۔ آپ نے اسے فرش پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے پنی حاجت کا ذکر کیا جسے آپ نے پوری کر دیا اور فرمایا تم نے ابھی اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے۔ اب کوئی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آ جانا۔

وہ شخص آپ کے پاس سے نکل کر عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور ان سے مل کر اس نے کہا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ نہ میری طرف توجہ کی جاتی تھی نہ میری حاجت پوری کی جاتی تھی۔ آپ کی سفارش سے اب کام ہوا۔

عثمان بن حنیف نے کہا۔ واللہ! میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ جب ان کے پاس ایک نابینا شخص نے آ کر اپنی بینائی جاتے رہنے کی شکایت کی تو آپ نے اس سے ارشاد فرمایا۔

کیا تم صبر کرو گے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ وضو خانہ جا کر وضو کرو۔ دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا کرو۔

عثمان بن حنیف نے کہا۔ واللہ! ہم ابھی نہ جدا ہوئے تھے نہ کوئی لمبی بات ہوئی اتنے میں وہ شخص اس طرح آیا گویا وہ کبھی نابینا نہیں تھا۔

قال المنذری رواہ الطبرانی وقال بعد ذکرہ والحدیث صحیح.

کذا فی الترغیب ج ۱ ص ۴۴۰ و کذا فی مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹.

وقال الشیخ ابن تیمیہ قال الطبرانی روی ھذا الحدیث شعبة عن ابی جعفر واسمه عمر بن یزید و ھو ثقة تفرد به عثمان بن عمر عن شعبة. قال ابو عبداللہ المقدسی والحدیث صحیح.

قلت قال الشیخ ابن تیمیة ذکر تفردہ بمبلغ علمه . ولم تبلغه روایة روح بن عبادہ عن شعبة و ذلک اسناد صحیح یبین انه لم ینفرد به عثمان بن عمر. الا التوسل والوسیلة ص ۱۰۱ .

اس سے ظاہر ہے کہ حافظ طبرانی وحافظ ابوعبداللہ المقدسی نے اسے حدیث صحیح کہا اوراس تصحیح کو حافظ منذری وحافظ نورالدین ہیثمی اور شیخ ابن تیمیہ نے نقل کیا۔

حاصل واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی اوراس واقعہ کے گواہ عثمان بن حنیف نے خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکنے اوراپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکنے والے شخص کی شکایت پر اسے یہ دعا سکھائی جس میں وصال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ونداء واستغاثہ سب ایک ساتھ ہے۔

اور جب اس شخص کا یہ خیال سامنے آیا کہ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ عثمان بن حنیف کی کسی گفتگو کے نتیجے میں اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے تو عثمان بن حنیف نے قسم کھا کر یہ کہا کہ خلیفہ کے ساتھ ان کی کوئی ایسی گفتگو نہیں ہوئی۔اوراس کے خیال کی تردید کے لیے وہ واقعہ اس سے بیان کیا جسے انہوں نے خود دیکھا اور سنا تھا تا کہ ثابت اور واضح ہو جائے کہ اس کی ضرورت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ونداء اوراستغاثہ کی برکت سے پوری ہوئی۔

میدان محشر میں وسیلۂ رسول ﷺ

عرصۂ محشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کے سلسلے میں زیادہ باتیں کرنے کی یہاں ضرورت نہیں محسوس ہورہی ہے۔کیوں کہ احادیث شفاعت حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور نصوص صریحہ سے معلوم ہے کہ جب اہل قیامت پر ایک طویل وقت گزر جائے گا اوران کے مصائب نا قابل برداشت ہو جائیں گے تو اپنی مشکل کشائی کے لیے وہ انبیاء و

مرسلین سے استغاثہ کریں گے۔ حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس استغاثہ کرتے ہوئے پہنچیں گے یہ حضرات انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں گے۔ وہ آپ کی خدمت میں استغاثہ کے لیے پہنچیں گے تو آپ فوراً ان کی مدد فرمائیں گے اور ارشاد فرمائیں گے اَنَا لَھَا انا لھا پھر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھائیں گے جب تک انہیں یہ ندا نہ دی جائے گی کہ اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہو گی۔

یہ انبیاء و مرسلین اور تمام مومنین کا اجماع ہے اور رب العالمین کی طرف سے اس کی تائید ہے کہ شدائد و مصائب کے وقت مقربین بارگاہ الٰہی سے استغاثہ کرنا حل مشکلات کی سب سے بڑی کنجی اور رب العلمین کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

مسلک شیخ ابن تیمیہ کے مطابق جواز توسل

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ میں لکھا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کی طلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی اتباع ہی سے ہوتی ہے۔ آپ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کا توسل ہر شخص پر ہر ظاہری باطنی حالت میں بحیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بعد ممات، حضور و غیوبت ہر شکل میں فرض ہے۔ کسی بھی مخلوق پر حجت قائم ہو جانے کے بعد کسی حال میں آپ پر ایمان و اطاعت کے توسل کا فریضہ ساقط نہیں ہو گا اور اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو گا۔

اللہ کی بارگاہ سے حصول رحمت و کرم اور اس کے عذاب سے نجات کے لیے شفیع الخلائق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل اور آپ کی اطاعت کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

صاحب مقام محمود صدر رشک اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی

بارگاہ میں سب سے عظیم القدر اور عالی مرتبت شفیع ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهاً اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ وَجِيهاً فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبھی انبیاء و مرسلین سے جاہ و منزلت میں عظیم تر ہیں۔ لیکن آپ کی دعاء و شفاعت سے وہی نفع وفیض پائے گا جس کے لیے آپ دعاء و شفاعت فرمائیں گے۔ اور جس کے لیے آپ دعاء و شفاعت فرمائیں گے اس کے لیے اپنی اس دعاء و شفاعت کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں گے جس طرح صحابہ کرام آپ کی دعاء و شفاعت کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ اور قیامت کے دن سبھی لوگ آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنائیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما۔ (قاعدہ جلیلة في التوسل والوسیلة' للشیخ ابن تیمیہ)

شیخ ابن تیمیہ سے ایک استفتاء اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل جائز ہے یا نہیں؟

جواب: الحمد للہ! آپ پر ایمان لانے' آپ سے محبت رکھنے' آپ کی اتباع کرنے آپ پر درود و سلام بھیجنے اور آپ کی دعاء و شفاعت وغیرہ جو آپ کے افعال اور آپ کے حق میں جائز افعال ہیں ان سب سے توسل کے جواز پر ساری امت کا اجماع ہے۔ الفتاوی الکبریٰ للشیخ ابن تیمیہ ج ۱ ص . ۱۴۰.

شیخ ابن تیمیہ کے کلام سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کرنے والے آپ سے محبت رکھنے والے اور آپ کی شفاعت کی تصدیق کرنے والے مسلمان کے لیے آپ کی اطاعت و محبت و تصدیق سے توسل جائز ہے۔

ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرتے ہیں تو آپ پر ایمان لانے آپ سے محبت رکھنے اور آپ کے فضل و شرف ہی سے توسل کرتے ہیں۔اور آپ سے توسل کرنے والے کسی مسلمان کا اس کے علاوہ کوئی تصور نہیں ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی اس کی صراحت توسل کے وقت ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہو پاتی۔صراحت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ توسل کے مقصود اصلی پر اس کا یہ اعتماد ہوتا ہے کہ یہاں ایمان بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل اس کا اصل مقصود ہے۔

۲۔ جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی ہے اس دعا رسول صلی اللہ علہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا صحیح ہے۔اور یہ واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے دعا فرمائی ہے جس کا ثبوت بہت ساری احادیث نبوی سے ملتا ہے مثلاً

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔انہوں نے کہا۔میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہشاش بشاش دیکھ کر عرض کیا۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعاء کیجئے تو آپ نے یہ دعا کی۔

اے اللہ! عائشہ کے اگلے پچھلے ظاہری و باطنی گناہ بخش دے۔

تو حضرت عائشہ کو ہنسی آئی۔ان کا سر ہنسی کی وجہ سے گود میں آ گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میری دعاء سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا آپ کی دعاء سے کیوں نہ خوشی ہوگی۔آپ نے ارشاد فرمایا۔انها لدعائی لامتی فی کل صلوٰۃ. میں ہر نماز کے بعد اپنی امت کے لیے یہ دعاء کرتا ہوں۔(رواہ البزاز ورجاله رجال الصحیح غیر احمد بن منصور الرمادی وهو ثقة. کذافی مجمع الزوائد)

اس لئے ہر مسلمان کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعاء سے توسل جائز و صحیح ہے اور اسے یہ دعا کرنی چاہیے۔

اے اللہ! تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لئے دعاء کی ہے اور میں اس امت کا ایک فرد ہوں۔ اس لئے اس دعا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا رہا ہوں کہ میری مغفرت فرمادے اور مجھ پر رحم فرما۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کی یہ دعاء ایسی ہوگی کہ سارے علماء کے درمیان متفق علیہ مسئلہ کے مطابق ہو گی۔ اور جب یہ دعاء جائز ہے تو یہ دعا بھی جائز ہے۔

اے اللہ! میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا رہا ہوں کہ تو میری فلاں مراد پوری فرما۔

کیوں کہ وہ صرف اپنے مافی الضمیر اور اپنی نیت کی صراحت نہیں کرسکا۔ ورنہ ہر مسلمان کا واضح مقصد اور ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اسے اپنے رسول سے جو محبت و تعلق ہے۔ آپ کو جو مرتبہ اور جاہ و منصب حاصل ہے۔ جس عظمت و فضیلت کے آپ حامل ہیں اور اپنی امت کے لیے آپ کی جو دعاء و شفاعت ہے ان سب کو وہ بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا رہا ہے۔

یہاں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں درود و سلام سماعت فرماتے ہیں اور سلام و استغفار کے ذریعہ اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

میری حیات و ممات دونوں تمہارے لیے بہتر ہیں۔ تم بات کرتے ہو اور تمہارے لیے بات کی جاتی ہے۔ تعرض اعمالکم علی فان وجدت خیرا

حمدت الله وان وجدت شرا استغفرت الله لکم (رواه الحافظ اسمعیل القاضی فی جزء الصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم. وذکره الهیثمی فی مجمع الزوائد و صححه)

تمہارے اعمال میرے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔اگر میں بھلائی پاتا ہوں تو حمد الٰہی بجالاتا ہوں اور برائی دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں اپنی امت کے لئے استغفار کرتے ہیں۔اور استغفار دعاء ہی ہے جس سے امت کو نفع وفیض پہنچتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مامن احدیسلم علی الا رد الله علی روحی حتی اردالسلام (رواه ابو داؤد عن ابی هریرة رضی الله عنه. وقال النووی اسناده صحیح)

جو شخص بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح (کی توجہ) واپس کر دیتا ہے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔اور سلام امان ہے۔تو مسلمان کے لئے امان کی دعا ہے۔اور اس مسلمان کو اس سے نفع وفیض پہنچتا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ کے نزدیک جوازِ توسل

شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں بعض جگہوں پر جواز توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کیا ہے جس میں آپ کی حیات وممات اور حضور وغیاب کی کوئی تفریق وتفصیل نہیں ہے۔الفتاویٰ الکبریٰ میں بھی امام احمد بن حنبل اور عزالدین بن عبدالسلام سے جواز

توسل نقل کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے کہا اسی طرح دعاء میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے۔ جیسا کہ ترمذی نے حدیث صحیح کی روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعاء تعلیم فرمائی۔

اللھم انی اسالک و اتوسل الیک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ. یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک فیجلی حاجتی لیقضیھا فشفعہ فی.

تو یہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے۔اھ۔ الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۷۶ **للشیخ ابن تیمیہ.**

شیخ ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے بارگاہِ الٰہی میں توسل خواہ اسے استغاثہ کہا جائے یا نہ کہا جائے اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ سلف میں سے کسی نے کیا ہو۔ اس کے متعلق آثار کی بھی روایت نہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ شیخ نے اس کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

اور توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنن کے اندر حدیث موجود ہے۔ نسائی و ترمذی وغیرہما کی روایت ہے کہ ایک اعرابی نے بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر کہا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بینائی ضائع ہو گئی ہے آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو۔

اللھم اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد. یا محمد انی

اتشفع بک فی ردبصری اللھم شفع نبیک فی.

اور تمہاری جو ضرورت ہو اسے پڑھ کر مانگو۔ اللہ نے اس شخص کی بینائی واپس کر دی۔

اس حدیث کی وجہ سے شیخ نے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اھ۔ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۵.

ایک دوسری جگہ شیخ ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا۔ اسی لئے امام احمد نے ایک منسک جسے انہوں نے مروزی کے لئے لکھا ہے اس میں کہا کہ دعاء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ۔

لیکن امام احمد کے علاوہ بعض کا قول ہے یہ تو اللہ کو آپ کی قسم دینا ہے اور اللہ کو کسی مخلوق کی قسم دینا جائز نہیں۔

امام احمد نے ایک روایت کے مطابق آپ کی قسم کو جائز کہا ہے اسی لئے آپ سے توسل کو جائز قرار دیا ہے۔ (الفتاویٰ ج ا ص ۱۴۰)

شیخ محمد بن علی شوکانی کے نزدیک جوازِ توسل

محدث سلفی شیخ محمد بن علی شوکانی نے اپنے رسالہ "الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید" میں لکھا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں کسی مقصد کے حصول کے لئے کسی شخص کو وسیلہ بنانے کے سلسلے میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر حدیث صحیح کی روایت ہے تو بارگاہ الٰہی میں صرف آپ سے توسل جائز ہے۔

شاید ان کا اشارہ سنن نسائی وترمذی کی اس حدیث کی طرف ہے جسے ابن ماجہ وغیرہ نے حدیث صحیح مانا ہے۔ کہ ایک نابینا شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ الی اخر

دوسری وجہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں اہل علم وفضل کا توسل درحقیقت ان کے اعمال صالحہ ومحاسن فاضلہ کا توسل ہے۔اس لیے کہ وہ صاحب فضل وشرف اپنے اعمال ہی کی وجہ سے ہیں۔

جب کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں عالم کو وسیلہ بنا رہا ہوں تو اس کے علم وفضل ہی کی وجہ سے اسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔اور صحیحین وغیرہما کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان تین لوگوں کا واقعہ بیان فرمایا جو ایک غار میں تھے اور چٹان سے اس کا منہ بند ہو گیا تھا تو ہر ایک نے اپنے سب سے بڑے اور اچھے عمل کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنایا جس کی برکت سے چٹان کھسک گئی اور ان تینوں نے نجات پائی۔(صحیح بخاری)

اگر اعمال صالحہ سے توسل ناجائز یا شرک ہوتا جیسا کہ توسل کے سلسلے میں متشددین کا گمان ہے مثلاً شیخ عزالدین بن عبدالسلام اور ان کے کچھ متبعین۔تو ان تینوں کی دعاء قبول نہ ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ واقعہ بیان کر کے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں خاموش نہ رہتے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کو وسیلہ بنائے جانے کے منکرین جو یہ آیات پیش کرتے ہیں۔

مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (زمر۔۳)

”ہم تو انہیں صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔“

فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. (جن۔۱۸)

”تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔“

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

بِشَیۡءٍ (رعد۔۱۷)

''اسی کا پکارنا سچا ہے اور جو لوگ اس کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے۔''

ان آیات کو توسل بالانبیاء والصالحین کے رد وانکار کے موقع پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور توسل کے خلاف استدلال کا ان آیات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

مشرکوں کا یہ کہنا کہ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی (زمر۔۳) اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ انہوں نے بتوں کی عبادت کی ہے۔

اور عالم کو وسیلہ بنانے والا شخص اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ اس کے عالم ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک اسے ایک امتیاز اور خوبی حاصل ہے۔ اس لئے اسے وسیلہ بنا رہا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا کے اندر اللہ کے ساتھ کسی غیر کی نداء ودعاء سے منع کیا گیا ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے بـالـلّٰـهِ وبفلان اور عالم کو وسیلہ بنانے والا صرف اللہ کو پکارتا اور اس سے دعاء کرتا ہے۔ اور اس عالم کے عمل صالح کو وسیلہ بنتا ہے جیسے غار کے اندر چٹان سے چھپ جانے والے تین آدمیوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا تھا۔

اسی طرح آیت کریمہ وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ کا بھی معاملہ ہے کہ مشرکوں نے جنہیں پکارا وہ ان کی پکار نہیں سن سکتے اور اپنے اس رب کو نہیں پکارا جو ان کی پکار سنتا اور ان کی دعائیں قبول کرتا۔ اور عالم کو وسیلہ بنانے والا شخص صرف اللہ کو پکارتا ہے اس کے علاوہ نہ وہ کسی کو پکارتا ہے نہ اس سے دعا کرتا ہے۔

یہ حقائق جان لینے کے بعد اب اپنے مبحث سے غیر متعلق دلائل دینے والے

مانعین توسل کے اعتراضات کا جواب دینا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔ جیسے اس آیت کریمہ سے ان کا استدلال ہے۔

وَمَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ثُمَّ مَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ یَوْمَ لَاتَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَّ الْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ. (انفطار۔۱۸۔۱۹)

اور تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن اور پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہوگا۔

اس آیت کریمہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کا حکم چلے گا اس کے علاوہ کسی دوسرے کا کوئی حکم نہیں چلے گا۔

اب جو شخص بھی کسی نبی یا عالم سے توسل کرتا ہے اس کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ وہ جس کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کی کوئی شرکت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیامت کے روز ہوگی اور جس کا ایسا عقیدہ کسی نبی یا غیر نبی کے بارے میں ہو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

اسی طرح لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ. (آل عمران۔۱۲۸)

یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ. (اعراف۔۱۸۸)

"تم کہو میں اپنی جان کے لئے نفع و ضرر کا خود سے مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔"

ان دونوں آیات میں اس کی صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے کسی امر میں دخل نہیں۔ اور وہ خود سے اپنے نفع و ضرر کے مالک نہیں تو دوسرے کے مالک کیسے ہوں گے۔

ان آیات میں آپ سے یا کسی نبی یا ولی یا عالم سے توسل کی کوئی ممانعت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود و مقام شفاعت کبریٰ عطا فرمایا اور مخلوق کو

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا یہ خیال کہ توسل سبھی صالحین کے ساتھ عام ہے۔
اس طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کہا۔
فرق واضح اور گفتگو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ کچھ علماء صالحین توسل کی رخصت دیتے ہیں۔ بعض علماء توسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ اور اکثر علماء اسے ممنوع و مکروہ قرار دیتے ہیں۔
یہ ایک فقہی مسئلہ ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک درست یہی قول ہے کہ توسل مکروہ ہے۔ لیکن توسل کرنے والے پر ہم رد و انکار نہیں کرتے اور اجتہادی مسائل میں ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے۔
البتہ ہم اس شخص پر اعتراض کرتے ہیں جو کسی بھی مخلوق کو اس طرح سے پکارے جیسے اللہ کو پکارا جاتا ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کی قبروں پر جا کر تضرع کرے اور ان سے اپنی مشکلات کا حل یا مصائب میں مدد اور اپنی آرزوؤں کی تکمیل چاہے۔ تو ایسا شخص ان لوگوں میں سے کہاں ہے جو اللہ کے دین کو خالص رکھ کر صرف اللہ کو پکارتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں پکارتے۔ لیکن اپنی دعاء میں کہتے ہیں۔ تجھ سے تیرے انبیاء یا رسولوں یا نیک بندوں کے وسیلہ سے مانگتے ہیں۔ یا کسی قبر معروف وغیرہ پر جا کر وہاں کوئی دعاء کرتے ہیں مگر اپنی دعاء صرف اللہ سے کرتے ہیں تو اس توسل پر ہماری یہ بحث نہیں۔
(فتاویٰ الشیخ محمد بن عبدالوهاب فی مجموعة المولفات القسم الثالث ص ٦٨ التی نشرتها جامعة الامام محمد بن سعود فیاسبوع الشیخ محمد بن عبدالوهاب)

آثار نبوی ﷺ کے ساتھ توسل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکت حاصل

کیا کرتے تھے۔اوراس حصول برکت کا صرف ایک مطلب ہے کہ صحابہ کرام آ ثار نبوی کو بارگاوالٰہی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے کیوں کہ توسل کا ایک ہی طریقہ نہیں ہے بلکہ اس کے کئی طریقے ہیں۔

آ ثار نبوی کو جب صحابہ کرام وسیلہ بنایا کرتے تھے تو کیا آپ کی ذات کو وسیلہ نہیں بناتے تھے؟

فرع کو وسیلہ بنانا صحیح ہے تو کیا اصل کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے؟

وہ آ ثار جنھیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عظمت وشرف حاصل ہوا انہیں وسیلہ بنانا صحیح اور آپ کی ذات مبارکہ کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے؟ **سبحانک ھذا بھتان عظیم.**

آ ثار نبوی کے ساتھ توسل کے سلسلے میں بہت سے نصوص وارد ہیں جن میں سے ہم صرف چند مشہور واقعات کا یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب کی شدید خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن کیے جائیں۔آپ کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو اپنے لڑکے عبداللہ کو آپ نے اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ادھر حضرت سیدہ عائشہ خود اپنے لئے اس قرب خاص کی متمنی تھیں۔فرمانے لگیں۔میں خود یہی چاہتی تھی لیکن اب اپنی خواہش پر عمر بن خطاب کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں۔یہ سن کر عبداللہ اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر یہ عظیم الشان خوشخبری دیتے ہیں۔تو عمر بن خطاب بول اٹھے۔

الحمدللہ! میری نظر میں اس سے اہم کوئی چیز نہ تھی۔(صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہونا عمر فاروق کی نظر میں کیوں سب سے محبوب اور

اہم چیز تھی؟ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس کا اور کیا مطلب ہے؟ کہ بعد وفات بھی آپ کے قرب کی برکت حاصل کی جاتی رہے۔

ام سلیم کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مشکیزہ کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تو اس ٹکڑے کو کاٹ کر ام سلیم نے اپنے پاس رکھ لیا۔ جس کے بارے میں حضرت انس کہتے ہیں کہ وہ ٹکڑا ہمارے پاس ہی رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے سر کے بال مونڈوائے تو صحابہ کرام وہ بال لینے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف اسماء بنت ابی بکر نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ اور اس کے بارے میں کہتی ہیں۔ ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور شفا پاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک کو آپ کے وصال کے بعد ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی نے محفوظ کر رکھا تھا۔ پھر وہ مہر کنوئیں میں گر پڑی۔

یہ ساری احادیث ثابت وصحیح ہیں۔ بحث تبرک میں ہم نے ان کا ذکر کر دیا ہے۔

یہاں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آثار نبوی کی اتنی حفاظت کیوں کی؟ مشکیزہ کا منہ، موئے مبارک، پسینہ، جبہ، مہر وغیرہ کی حفاظت کا مقصد کیا صرف بطور یادگار ہے؟ یا تاریخی آثار کے طور پر انہیں محفوظ کر کے میوزیم میں رکھنے کا کوئی منصوبہ تھا؟

اگر پہلی صورت مدنظر تھی تو ابتلاء ومرض کے وقت بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے ان آثار مبارکہ کے ساتھ اتنی توجہ اور دلچسپی کیوں تھی؟ اور دوسری صورت میں وہ میوزیم کہاں ہے؟ اور ان کے دل میں ایسا نیا خیال کیوں اور کیسے آیا؟ سبحانک ھذا بہتان عظیم

حق یہ ہے کہ ان آثار نبوی سے صحابہ کرام برکت حاصل کرتے تھے۔ اللہ کی

تھے۔(اھ۔البدایہ ج ۲ ص ۸)

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔اس تابوت میں عصائے موسیٰ وعصائے ہارون اور توریت کی دولوحیں تھیں۔بعض نے کہا کہ عصا اور نعلین تھے۔اھ۔تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۳۱۳۔

قرطبی نے کہا۔تابوت کے بارے میں مذکور ہے کہ اسے اللہ نے آدم علیہ السلام پر اتارا اور وہ انہیں کے پاس رہا۔پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔اور بنی اسرائیل اس کے صدقہ میں اپنے مخالفین واعداء پر غالب رہا کرتے تھے۔لیکن جب نافرمانی کرنے لگے تو عمالقہ نے ان سے تابوت چھین لیا۔اھ۔تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۴۷۔

یہ درحقیقت آثار انبیاء سے توسل ہی ہے کیوں کہ جنگوں میں تابوت کو اپنے سامنے رکھنے کا یہی مطلب ہے۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اس تابوت کو پھر بنی اسرائیل کی طرف لوٹا دیا اور اسے اس نے صحت ملکِ طالوت کی علامت بنا دیا اور ان کے اس فعل پر اللہ نے کسی طرح بھی اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔

اپنے آپ سے اور دیگر انبیاء وصالحین سے نبی کریم کا توسل

علی بن ابی طالب کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی لحد کھود کر اس کی مٹی نکالی اور پھر اس میں لیٹ کر یہ دعاء فرمائی۔

اللہ الذی یحیی و یمیت و ھو حی لایموت. اغفر لامی فاطمہ بنت اسد ولقنھا حجتھا و وسع علیھا مدخلھا بحق نبیک والانبیاء الذی من قبلی فانک الرحم الراحمین.

بعد وصال قبر نبوی سے توسل

حافظ دارمی نے اپنی کتاب السنن کے باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ کے تحت یہ حدیث درج کی ہے۔

ہم سے ابوالنعمان نے ان سے سعید بن زید نے ان سے عمرو بن مالک البکری نے ان سے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی۔

اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہ نے کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کی طرف دیکھو اور اس کا روشندان اس طرح کھول دو کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور خوب بارش ہوئی۔ جس کے بعد گھاس اُگ آئی اور اونٹ تروتازہ موٹے ہو گئے۔ اونٹوں پر اتنی چربی چڑھ آئی کہ اس سال کا نام ہی عام فتق پڑ گیا۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۴۳)

یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے توسل ہے۔ محض قبر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی آغوش میں آرام فرما اشرف المخلوقات وحبیب رب العالمین کے جسد مبارک کی وجہ سے اسے شرف واعزاز حاصل ہوا۔

حافظ ابوبکر بیہقی نے لکھا ہے۔ ہم سے ابوبکر بن قتادہ اور ابوبکر اطفارسی نے خبر دیتے ہوئے کہا۔

ہم سے ابوعمر بن مطر نے ان سے ابراہیم بن علی الذہلی نے ان سے یحییٰ بن یحییٰ نے ان سے ابومعاویہ نے ان سے اعمش نے ان سے ابوصالح نے ان سے مالک نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا۔

حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں لوگ مبتلائے قحط ہوئے تو ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیوں کہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسے حکم دیا۔

ایت عمر فاقرأه منی السلام واخبرهم انهم مسقون و قل له علیک بالکیس الکیس.

عمر کے پاس جاؤ ان سے میرا اسلام کہو اور ان سے بتلا دو کہ لوگ بارش سے سیراب کئے جائیں گے۔ اور ان سے یہ بھی کہو کہ حزم واحتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں۔

وہ شخص عمر بن خطاب کے پاس پہنچا اور انہیں یہ بات بتلا دی۔ عمر نے کہا۔ اے رب! میں اپنے مقدور بھر کوئی سستی وکوتاہی نہیں کرتا۔ **وهذا اسناد صحیح. کذاقال الحافظ ابن کثیر فی البدایة ١ ص ٩١ فی حوادث لمانیة عشر.**

مالک الدرامی سے روایت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں لوگ مبتلائے قحط ہوئے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا۔

یارسول الله! استسق لامتک فانهم قدهلکوا.

یارسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے۔ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خواب میں حکم دیا کہ عمر کے پاس جاؤ۔

الحدیث رواه ابن ابی شیبه باسناد صحیح من روایة ابی صالح السمان عن مالک الدارمی و کان خازن عمر.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط۔ وفیہ روح بن صلاح وثقہ ابن حبان والحاکم فیہ ضعف۔ وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ کذا بمجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷)

رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر بسندجید۔ و رواہ ابن حبان والحاکم وصححوہ عن انس۔ و رواہ ابن ابی شیبۃ عن جابر و ابن عبدالبر عن ابن عباس۔ واختلف بعضھم فی روح بن صلاح احد رواتہ۔ ولکن ابن حبان ذکرہ فی الثقات وقال الحاکم: ثقۃ مامون۔ وکلا الحافظین صحح۔ الحدیث و ھکذا الھیثمی فی مجمع الزوائد ورجالہ رجال الصحیح۔

ورواہ کذلک ابن عبدالبر عن ابن عباس۔ وابن ابی شیبۃ عن جابر۔ واخرجہ الدیلمی وابونعیم۔ وطرقہ یسد بعضہ بعضا بقوۃ و تحقیق۔

اللہ جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا جسے کبھی موت نہ آئے۔ اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما۔ انہیں تلقین حجت فرما۔ ان کی راہ کشادہ فرما۔ اپنے نبی اور انبیاء سابقین کے حق کی برکت سے۔ بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

پھر آپ نے چار مرتبہ تکبیریں کہیں اور انہیں سپرد لحد کر دیا۔ آپ کے ساتھ حضرت عباس اور حضرت ابوبکر صدیق نے یہ کام انجام دیا۔

اس حدیث و دیگر احادیث میں وارد ہے کہ انبیاء کرام کا جو حق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسیلہ بنایا جب کہ یہ انبیاء کرام انتقال فرما چکے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ الہی میں حق صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اور اہل حق کو بھی خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من خرج من بيته الى الصلوة فقال : اللهم انى اسألك بحق السائلين عليك وبحق ممشاى هذا فانى لم اخرج اشرا و لابطرا ولا رياء ولاسمعة. وخرجت اتقاء سخطك و ابتغاء مرضاتك. فاسالك ان تعيذنى من النار و ان تغفرلى ذنوبى انه لايغفر الذنوب الاانت. اقبل الله بوجهه واستغفرله سبعون الف ملك.

(رواه ابن ماجه. كذا فى الترغيب والترهيب ج ١ ص ١٧٩.
رواه ابن خزيمه فى صحيحه و ابن السنى و ابونعيم. وقد حسنه ابن حجر و العراقى فى المغنى عن حمل الاسفار. احياء ج ١ ص ٣٢٣)

جب شخص نماز کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور یہ دعاء کرے۔ اے اللہ! سائلین کا جو حق تیرے ذمہ کرم پر ہے اور میرا یہ چلنا جو کبر و نخوت اور ریاء و سمعۃ سے خالی ہے کہ تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری خوشنودی کی طلب میں نکلا ہوں اس کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے آتش جہنم سے پناہ دے اور میرے گناہ بخش دے۔ بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔

اس دعاء پر رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اس دعاء میں ارشاد نبوی ہے بحق السائلین علیک جس میں زندہ اور وفات یافتہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بیک وقت ان دونوں سے توسل درست ہے۔

مذکورہ خواب دیکھنے والے صحابی رسول حضرت بلال بن حارث المزنی تھے۔ قال ابن حجر اسنادہ صحیح. ۵۱. فتح الباری ص ۴۱۵. ج ۲.

راویان وائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ یہ کفر وضلال ہے۔ متن حدیث پر کسی نے طعن نہیں کیا۔ ابن حجر عسقلانی نے یہ حدیث ذکر کر کے اسے صحیح الاسناد کہا۔ اور حفاظ حدیث کے درمیان ابن حجر عسقلانی کا جو علم و فضل اور مقام ومنصب ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

خالد بن ولید نے مسیلمہ کذاب سے ہونے والی جنگ یمامہ کے موقع پر پکارا تھا۔ یا محمداہ۔

حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ خالد بن ولید جذبۂ جہاد میں صفِ اعداء میں گھستے ہوئے جبالِ مسیلمہ تک جا پہنچے۔ اور وہاں اس تاک میں رہے کہ کوئی ملے تو اسے قتل کروں۔ پھر پلٹ کر دونوں صفوں کے بیچ میں آ گئے اور دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے کہا۔ میں ابن ولید ہوں میں ابن عامر وزید ہوں۔

پھر مسلمانوں کی ان دنوں یہ جو مخصوص علامت ندا تھی اس کے ساتھ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔ یا محمداہ۔ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۴.

مرض و تکلیف میں نبی کریم ﷺ سے توسل

ہیثم بن اخنس سے روایت ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا پاؤں سن ہو گیا۔ ایک شخص نے کہا آپ اسے یاد کیجئے جو انسانوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ یہ سن کر آپ نے کہا۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو وہ اس طرح بھلے چنگے ہو گئے جیسے بندھن سے آزاد کر دیئے گئے ہوں۔

مجاہد سے روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ایک شخص کا پاؤں

سن ہو گیا۔ تو اس سے ابن عباس نے فرمایا۔ انسانوں میں سب سے عزیز و محبوب شخص کو یاد کرو۔ اس نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہی اس کا پاؤں شفایاب ہو گیا۔ ذکرہ الشیخ ابن تیمیہ فی الکلم الطیب فی الفصل السابع والاربعین ص ۱۶۵۔

یہ سب ندا کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔

غیر نبی سے توسل

عتبہ بن غزوان سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا ضل احدکم شیئا او اراد عونا و هو بارض لیس بها انیس. فلیقل یا عباد الله اعینونی فان لله عبادا لا یراهم. وقد جرب ذلک. رواه الطبرانی ورجاله وثقوا علی ضعف فی بعضهم الا ان یزید بن علی لم یدرک عتبة.

جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ کسی ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی مونس نہ ہو اور وہ کسی طرح کی مدد چاہے تو یہ کہے۔ یا عباد الله اعینونی. اے بندگان خدا میری مدد کرو۔ کیوں کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں ہم دیکھتے نہیں ہیں۔ یہ آزمودہ چیز ہے۔

ابن عباس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان لله ملئکة فی الارض سوی الحفظة یکتبون مایسقط من ورق الشجرة فاذا اصاب احدکم عرجة بارض فلاة فلیناد اعینونی یا عبدالله.

رواه الطبرانی ورجاله ثقات.

حفاظت پر مامور فرشتوں کے علاوہ زمین پر کچھ ایسے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو بھی لکھ لیا کرتے ہیں۔ تو جب کسی صحرا و بیابان میں کوئی راستہ بھول

جائے تو یہ آواز دے۔ اعینونی یا عبداللہ. اے بندگانِ خدا میری مدد کرو۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اذا انفلت دابة احدکم بارض فلاة فلیناد یاعباد اللہ احبوا. یا عباد اللہ احبسوا. فان للہ حاضرافی الارض یحبسہ.'' رواہ ابویعلی والطبرانی و زاد سیحبسہ علیکم. و فیہ معروف بن حسان و ھو ضعیف ا ہ. من مجمع الزوائد و منبع الفوائد للحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی ج ۱ ص ۱۳۲.''

جب کسی صحرا و بیابان میں کسی کا کوئی جانور گم ہو جائے تو وہ آواز دے یاعباد اللہ احبسوا یا عبدا اللہ احبسوا. اے بندگانِ خدا اسے روک لو۔ اے بندگانِ خدا اسے پکڑ لو۔ اللہ کی جانب سے یہ ایسا مامور و موجود بندہ وہاں ہوگا جو اسے پکڑ لے گا۔ یہ بھی نداء کی شکل میں توسل ہی ہے۔

حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دو رکعتیں پڑھ کر فرمایا کرتے تھے۔

اللھم رب جبریل واسرافیل و میکائیل ومحمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعوذبک من النار.

قال النووی فی الاذکار. رواہ ابن السنی. وقال الحافظ بعد تخریجہ ھو حدیث حسن. شرح الاذکار لابن علان ج ۲ ص ۱۳۹ .

اے اللہ! جبریل و اسرافیل و میکائیل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب! میں جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ان حضرات کا خصوصیت سے نام لینے کا مطلب ان سے توسل ہے۔ گویا آپ

فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! میں تجھ سے دعاء کررہا ہوں اور جبریل امین وغیرہ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنارہا ہوں۔ ابن علان نے اپنی شرح میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

عمر فاروق کا عباس بن عبدالمطلب سے توسل اور اس کا مطلب

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خشک سالی کے وقت عباس بن عبدالمطلب کو وسیلہ بنا کر اس طرح بارش کی دعاء کرتے تھے۔

اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا. اخرجه البخاری فی صحیحه.

اے اللہ! ہم اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب فرمایا کرتا تھا۔ اور اب اپنے نبی کے چچا کو ہم تیری بارگاہ میں وسیلہ بنارہے ہیں۔ تو ہمیں سیراب فرما۔

الانساب میں زبیر بن بکار اس واقعہ کو بطریق آخر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ عمر بن خطاب نے عام الرمادہ (خشک سالی سے گرد و غبار اڑنے کی وجہ سے اسے عام الرمادہ کہا گیا) میں عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعاء کی اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباس بن عبدالمطلب کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے بیٹا باپ کو دیکھتا ہے۔ تو اپنے چچا عباس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ تھا اس کی سب لوگ پیروی کریں اور عباس کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنائیں۔ اور اے عباس! آپ اللہ سے دعا کیجئے۔

حضرت عباس نے اپنی دعاء میں کہا۔ اے اللہ! ہر بلا کسی گناہ کے سبب نازل ہوتی ہے اور توبہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ تیرے نبی کی نسبت سے لوگ مجھے تیری بارگاہ میں

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات ظاہری میں نماز استسقاء کی امامت فرمائی تھی جس پر حضرت عمر نے حضرت عباس سے عمل کرایا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی زیادہ سے زیادہ تعظیم وتکریم ہو سکے۔

یہ حقیقت حضرت عمر کی اس دعاء سے بھی ظاہر ہے۔

اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا و انا نتوسل اليك بعم نبيك فاسقنا.

اے اللہ! ہم اپنے نبی کے وسیلہ سے دعاء مانگتے تھے تو ہمیں تو سیراب فرمایا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما۔

یعنی یہ وسیلہ اس طرح تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر نماز استسقاء کے لئے مقام نماز استسقاء تک تشریف لے جاتے۔ ان کے لئے دعا کرتے اور نماز استسقاء کی امامت کرتے۔

اب چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے ہم ان کے اہل بیت کو آگے بڑھاتے ہیں تا کہ ان کی دعاء و امامت بارگاہ الٰہی میں زیادہ مقبول ہو سکے۔

حضرت عباس کی دعاء میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔ ان کی دعاء کا ایک حصہ یہ ہے۔

وقد تقرب القوم بی لمكانی من نبيك. تیرے نبی کی نسبت سے لوگوں نے میرے وسیلہ سے تیرا قرب چاہا۔

یعنی تیرے نبی کے ساتھ میری قرابت ہونے کی وجہ سے لوگوں نے مجھے وسیلہ بنایا۔

وسیلہ بنا کر حاضر ہیں۔ یہ ہمارے گنہ گار ہاتھ تیری طرف اٹھے ہوئے اور توبہ سے ہماری پیشانیاں تیرے دربار میں جھکی ہوئی ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور اپنے نبی کے چچا کی لاج رکھ لے کہ اس چچا کو تیرے نبی سے نسبت ہے۔

اس دعا کے ساتھ ہی بادل پہاڑوں کی طرح امنڈا اور موسلا دھار بارش سے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور سب لوگ حضرت عباس کے پاس آ کر ان سے برکت حاصل کرنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ اے ساقی حرمین! بارش کی مبارکباد قبول کیجئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی مبارک باد دی اور کہا۔ اللہ ہی کے لئے اللہ کے دربار میں وسیلہ اور اس کا تقرب ہے۔ عباس بن عتبہ کا اسی سلسلے میں ایک شعر ہے۔

بعمی سقی اللہ الحجاز واھلہ

عشیۃ یستسقی بشیبتہ عمر

میرے چچا کے صدقہ میں اللہ نے حجاز و اہل حجاز کو سیراب فرمایا۔ جس شام حضرت عمر نے ان کی بزرگی کے وسیلہ سے سیرابی کی دعاء کی۔

نماز استسقاء کی امامت کا حق حضرت عمر کو تھا لیکن اس حق سے دست بردار ہو کر حضرت عباس کو استسقاء کے لئے آگے بڑھایا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقدس خانوادہ کی عظمت شان ظاہر ہو۔ اور اپنے اوپر عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح محض اس لئے تھی کہ ممکن حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل ہو۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی جائے کہ وہ حضرت عباس کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنائیں۔ جس پر حضرت عمر نے خود اس طرح عمل کیا کہ حضرت عباس کو دعاء کے لیے آگے بڑھا کر انہیں ہی وسیلہ بنایا۔ اور اس طرح انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنایا کہ حضور

دعاء کا دوسرا حصہ یہ ہے۔ **فاحفظ اللھم نبیک فی عمہ.** اے اللہ! اپنے نبی کی لاج رکھ لے اس کے چچا کے سلسلے میں۔ یعنی اپنے نبی کے صدقہ میں میری دعاء قبول فرمالے۔

استسقاء کے معاملہ کا اس توسل سے کوئی تعلق نہیں جس پر بحث اور جس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اس حقیقت کی معرفت ہر آنکھ والے کو ہے۔ اور مذکورہ پورا واقعہ بھی وضاحت سے اس کی نشاندہی کر رہا ہے۔

اہل حجاز قحط سالی کا شکار ہوئے اور انہیں ضرورت پیش آئی کہ نماز استسقاء پڑھ کر اللہ سے دعاء فریاد کریں۔ اب ظاہر ہے کہ نماز استسقاء کے لیے ایک امام کی ضرورت ہوگی جو امامت کرے دعاء کرے اور اس اسلامی شعار کو قائم کرے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار تکلیف (دنیا) میں رہتے ہوئے قائم فرمایا تھا۔ جس طرح دوسرے شعائر دین مثلاً امامت جمعہ، خطبہ وغیرہ آپ نے قائم فرمایا۔ اور یہ ایسے اعمال تکلیفیہ ہین جن کے اہل برزخ مکلف نہیں۔ کیوں کہ اس دنیا سے پردہ لینے کے بعد دنیوی تکالیف ان سے منقطع ہو گئیں اور وہ ان سے عظیم امور کی طرف متوجہ ومصروف ہو گئے۔[1]

جو شخص کلام امیر المومنین عمر فاروق کا یہ مطلب نکالتا ہے کہ انہوں نے اس لئے حضرت عباس سے توسل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل نہیں کیا کہ حضرت عباس زندہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ ایسے شخص کی عقل مر چکی ہے، وہم اس پر غالب آچکا ہے اور وہ اپنے اوپر سطحیت یا عصبیت کو مسلط کر چکا ہے۔ اور وہ اپنی

---

[1] خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کو نماز استسقاء کا امام نہیں بنایا جا سکتا اس لئے حضرت عمر نے حضرت عباس کو امام بنایا جب کہ وہ خود امیر المومنین اور مستحق امامت تھے لیکن انہوں نے قرابت ونسبت رسول کو وسیلہ بنایا۔ تو اصلاً یہ توسل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت عباس کی دعاؤں سے بھی یہی واضح ہے۔ (یٰس اختر مصباحی)

خودساختہ رائے کا شکار ہے۔

حضرت عمر نے حضرت عباس کو اسی لئے تو وسیلہ بنایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں۔ حضرت عمر کی اس دعا سے یہی وجہ اور حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں تو ہمیں سیراب فرمادے۔

اس دعاء میں خود ہی نہایت بہتر طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔

بڑا ہی ناانصاف اور خطار کا ہے وہ شخص جو توسل کی وجہ سے کسی مسلمان کو مرتکب شرک قرار دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ زندہ شخص سے توسل جائز ہے۔ کیوں کہ توسل اگر شرک ہوتا تو زندہ مردہ کسی شخص سے بھی توسل جائز نہ ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ کے علاوہ کسی نبی یا فرشتہ یا ولی کے بارے میں اعتقاد ربوبیت یا اسے مستحق عبادت سمجھنا شرک وکفر ہے۔ اور یہ شرک وکفر اس کی دنیوی واخروی زندگی میں کسی بھی وقت جائز نہیں۔

کیا کسی کو یہ کہتے سنا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی اس کی زندگی میں اسے رب سمجھنا جائز ہے۔ اور وفات کے بعد شرک ہے؟

مذکورہ بحث سے واضح ہو گیا کہ بارگاہِ الٰہی میں کسی معظم ہستی کو وسیلہ بنانا اس کی عبادت نہیں ہے۔ ہاں! اگر اس معظم ہستی کو رب سمجھ کر اسے وسیلہ بنائے تو یہ اس کی عبادت سمجھی جائے گی۔ جیسے بت پرست اپنے بتوں کو رب سمجھا کرتے تھے۔ اور اگر کسی شخص معظم کو رب نہ سمجھتے ہوئے اسے حکم الٰہی کے مطابق بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنایا جائے تو یہ توسل حاکم و امر حقیقی اللہ عزوجل کی عبادت ہے۔

امام عتبی کا بیان کردہ واقعہ توسل

حافظ شیخ عمادالدین ابن کثیر نے لکھا ہے۔

مندرجہ ذیل واقعہ کئی علماء نے بیان کیا ہے جن میں سے شیخ ابومنصور الصباغ اپنی کتاب الحکایۃ المشھورۃ میں لکھتے ہیں۔

عتبی نے کہا میں قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا۔ السلام علیک یارسول اللہ!

پھر کہنے لگا۔ آپ کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. (نساء۔۶۴)

اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر تمہارے حضور حاضر ہوں اور اللہ سے مغفرت چاہیں اور رسول ان کی شفاعت کرے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

میں اس لئے حاضر ہوں کہ آپ کے توسل سے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا استغفار اور طلب شفاعت کروں۔ پھر وہ اعرابی یہ شعر پڑھنے لگا۔

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمہ
فطاب من طیبھن القاع والاکم

اے ان تمام لوگوں میں بہتر جن کی ہڈیاں زمین میں مدفون ہوئیں تو ان کی خوشبو سے چٹیل میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔

نفس الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفات و فیہ الجود و الکرم

میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ آرام فرما ہیں۔اسی قبر میں عفت بھی ہے اور جودوکرم بھی ہے۔

اس عرض مدعا کے بعد اعرابی واپس چلا گیا۔اور مجھے نیند آ گئی۔میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔خواب ہی میں آپ نے مجھے حکم دیا۔الحق الاعرابی فبشرہ ان اللہ قد غفر لہ۔ اعرابی سے ملاقات کر کے اسے بشارت دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

اس واقعہ کو مندرجہ ذیل علماء وائمہ نے بیان کیا ہے۔

امام نووی. الایضاح الباب السادس ص ۴۹۸. الحافظ عمادالدین تفسیر ابن کثیر زیر آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْظَلَمُوْا. الخ. شیخ ابو محمد ابن قدامہ. المغنی ج ۳ ص ۵۵۶. شیخ ابو الفرج ابن قدامہ. الشرح الکبیر ج ۳ ص ۴۹۵. شیخ منصور بن یونس البھوتی. فقہ حنبلی کی مشہور کتاب کشاف القناع ج ۵ ص ۳۰.

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ امام قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر الجامع میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ابو صادق نے حضرت علی سے روایت کیا۔انہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی تدفین کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا۔وہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے اختیار لوٹنے اور اپنے سر پر خاک اڑانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے حکم دیا تو ہم نے آپ کی بات مانی۔آپ نے اللہ سے لے کر اسے محفوظ رکھا اور ہم نے آپ سے اسے حاصل کیا۔اللہ نے آپ پر یہ

آیت نازل فرمائی۔ ولو انھم اذظلموا انفسھم. الخ

میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار کریں۔ قبر انور سے ندا آئی کہ تمہاری بخشش ہو گئی۔ (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۳۶۵۔)

عتبـــی کا واقعہ بڑے بڑے علماء وائمہ نے نقل کیا ہے۔ کسی بھی خبر پر حکم لگانے کے لئے محدثین اس کی سند پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب سند کے اعتبار سے یہ واقعہ صحیح ہو یا ضعیف۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان علماء اسلام نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کر کے کیا کفر و ضلال کی اشاعت کی ہے؟ یا ایسی چیز بیان کی ہے جو بت پرستی اور عبادت قبور کی دعوت دیتی ہو؟

اور اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر ان علماء اور ان کی کتابوں کا کیا اعتبار رہ جائے گا؟ سبحانک ھذا بھتان عظیم.

خلاصۂ کلام

بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں بڑے ہی جاہ و مرتبہ اور قدر و منزلت والے ہیں۔ اور حیات دنیوی واخروی میں آپ کو وسیلہ بنائے جانے کے بہت سے دلائل و براہین بھی ہیں۔ پھر آپ سے توسل کے لئے کون سی شرعی یا عقلی قباحت و ممانعت ہے؟

توسل میں غیر اللہ سے نہیں سوال کیا جاتا۔ نہ اللہ کے سوا کسی اور سے دعاء کی جاتی ہے۔ صرف اللہ کے محبوب کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ محبوب کبھی عمل صالح ہوتا ہے جسے اللہ پسند فرماتا ہے اور کبھی اللہ کا کوئی محبوب بندہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث آدم و حدیث فاطمہ بنت اسد و حدیث عثمان بن حنیف میں مذکور ہے اور یہ احادیث ہم بیان کر چکے ہیں۔

کبھی اللہ کے اسماء حسنیٰ کو وسیلہ بنایا جاتا ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی۔ اسالک بانک انت اللہ.

کبھی اللہ کی صفت یا اس کے فعل کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اعوذ برضاک من سخطک و بمعافاتک من عقوبتک.

توسل اسی تنگ دائرہ میں محدود نہیں ہے جسے انتہا پسند منکرین توسل نے گمان کر رکھا ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان کے نزدیک یہ حقیقت واضح ہے کہ جس چیز کو اللہ کے نزدیک محبوبیت حاصل ہے اس سے توسل درست ہے۔ اسی طرح ہر محبوب و معظم ہستی خواہ نبی ہو یا ولی اس سے بھی توسل درست ہے۔ اس سے نہ کتاب وسنت مانع ہے نہ عقل انسانی بلکہ نقل وعقل ہر لحاظ سے اس کے جواز پر بکثرت دلائل موجود ہیں۔ اور توسل میں مسئول اور مرجع ومآب صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔ نبی وولی اور زندہ وفات یافتہ مخلوق نہیں۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا.

(نساء۔۷۸)

تم کہو سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کوئی بات سمجھتے معلوم نہیں ہوتے۔

جب اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ کیوں کہ وہ افضل مخلوقات واعمال ہیں اور اللہ انہیں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر توسل سے مانع کیا چیز ہے؟ الفاظ توسل کا مفاد یہی تو

ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں محبوب ومقرب اور صاحب قدر و منزلت ہیں؟ اور توسل کرنے والے کسی شخص کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اب بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا جو شخص بھی انکار کرے وہ یقیناً کافر ہے۔

مسئلہ توسل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جسے وسیلہ بنایا جارہا ہے اس کی اللہ کے نزدیک عظمت اور اللہ کو اس سے محبت ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں انہیں عظمت ومحبوبیت حاصل ہے۔

اعمال صالحہ سے توسل پر تو سب کا اتفاق ہے۔ پھر یہ کیوں نہ سمجھا اور کہا جائے کہ انبیاء یا صالحین سے توسل کرنے والا ان کے ان اعمال صالحہ سے توسل کر رہا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ اور حدیث اصحاب غار (روایت بخاری) اس سلسلے میں وارد اور کافی بھی ہے اس طرح اصلاً اعمال صالحہ سے توسل پر سب کا اتفاق ہوجائے گا۔

صالحین سے توسل کرنے والا اسی لئے تو ان سے توسل کرتا ہے کہ وہ صالح ہیں۔ تو بات اعمال صالحہ ہی تک پہنچتی ہے جس کے جواز پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

مذکورہ احادیث وآثار سے توسل کا ثبوت ملتا ہے اور اس کی تائید ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ توسل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ خاص ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی شکل میں کہ روح باقی ہوا کرتی ہے اور اسی روح سے احساس وادراک وشعور کا وجود ہے۔

اہل سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ مردہ شخص سماعت واحساس اور شعور رکھتا ہے بھلائی سے اسے خوشی ملتی ہے اسے فائدہ پہنچتا ہے شر سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اور حزن لاحق ہوتا ہے اور یہ معاملہ ہر مردہ انسان کے ساتھ ہے۔

اسی لئے غزوہ بدر کے موقع پر وہ کفار قریش جنہیں قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا گیا تھا انہیں آواز دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **یاعتبہ یا شیبہ یا ربیعہ.**

کسی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کفار مر کے سڑگل چکے ہیں انہیں آپ کیوں آواز دے رہے ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا **ما انتم باسمع منھم و لکنھم لایستطیعون.** تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ ہاں یہ ہے کہ انہیں جواب دینے کی طاقت نہیں ہے۔

جب عام انسانوں کی یہ بات ہے تو پھر افضل البشر، اکرم الخلق، اعظم العباد صلی اللہ علیہ وسلم جو جملہ مخلوقات سے کامل احساس وادراک اور قوی شعور رکھنے والے ہیں ان کی سماعت وادراک کا کیا کہنا۔

اور احادیث کثیرہ میں اس کی تصریح بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتیں سنتے ہیں، سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اعمال امت آپ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور آپ ان کے اعمال سیئہ پر استغفار اور اعمال حسنہ پر حمد الٰہی بجالاتے ہیں۔

انسان کی قیمت درحقیقت اس کے مقدار شعور واحساس وادراک سے ہے۔ اس کی حیات سے نہیں۔ ہم بہت سے زندہ انسانوں کو دیکھتے ہیں کہ غباوت طبع اور قلتِ ذوق کے ساتھ انسانی شعور واحساس سے بھی محروم ہیں۔ ان کی حیات سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا اور وہ مردہ کی صفت میں شمار کئے جاتے ہیں۔ **العیاذ باللّٰہ.**

بعد وصال! نبی کریم ﷺ کی قوت سماعت ورویت ومعرفت کا انکار

ایک جاہلانہ شیوہ

انہیں مردوں میں ان کا بھی شمار ہے جو اس جاہلانہ شیوہ کو اپنائے ہوئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے نہ ہمیں پہچانتے ہیں نہ ہمارے لئے اللہ سے دعاء کرتے ہیں۔

اس سے بڑی جسارت اور قبیح جہالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ جس کے اندر بارگاہ نبوی میں شدید تنقیص و بے ادبی بھی شامل ہے حالاں کہ احادیث وآثار کثیرہ سے ثابت ہے کہ مردہ خواہ مومن ہو یا کافر وہ سنتا ہے' احساس رکھتا ہے اور پہچانتا بھی ہے۔

اس سلسلے میں شیخ ابن قیم نے بھی کتاب الروح میں لکھا ہے کہ مردہ کی سماعت و احساس پر سلف کا اجماع ہے اور ان کے آثار کا تواتر ہے۔

اسی طرح اس مسئلہ پر شیخ ابن تیمیہ نے بھی ایک فتویٰ میں اس کی تائید کی ہے۔

الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۳۳۱ و ص ۳۶۲.

جب عام بشر کے سلسلے میں یہ سماعت وادراک ثابت ہے تو پھر عام اہل ایمان اور خاص مقرب بندگان خدا اور ان سے آگے بڑھ کر سید الاولین والآخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تم کیا کہو گے؟

توسل کے قائل علماء وائمہ کرام

چند ائمہ کبار وحفاظ السنہ جو جواز توسل کے قائل ہیں ان کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ الامام الحافظ ابو عبداللہ الحاکم...... اپنی کتاب المستدرک میں آپ نے حدیث توسل آدم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا ہے اور اسے حدیث صحیح کہا ہے۔

۲۔ الامام الحافظ ابوبکر البیھقی...... اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حدیث آدم کو آپ نے بیان کیا ہے۔اس کتاب میں موضوعات بالکل نہیں ہیں۔

۳۔ الامام الحافظ جلال الدین السیوطی...... اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ میں حدیث توسل آدم کو آپ نے بیان کیا ہے۔

۴۔ الامام الحافظ ابوالفرج ابن الجوزی...... اپنی کتاب الوفاء میں آپ نے یہ حدیث اور دیگر مسائل توسل درج کئے ہیں۔

۵۔ الامام الحافظ القاضی عیاض المالکی...... اپنی کتاب الشفاء فی التعریف حقوق المصطفیٰ کے باب الزیارۃ و باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں توسل سے متعلق بہت تفصیل سے آپ نے لکھا ہے۔

۶۔ الامام الشیخ نورالدین القاری المعروف بہ ملا علی قاری...... نے شرح شفاء میں مذکورہ مقامات پر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

۷۔ العلامہ احمد شہاب الدین الخفاجی...... نے شرح شفا موسوم بہ نسیم الریاض میں مذکورہ مقامات پر اضافہ کیا ہے۔

۸۔ الامام الحافظ القسطلانی...... نے اپنی کتاب المواھب اللدنیہ کے مقصد اول میں لکھا ہے۔

۹۔ العلامہ الشیخ محمد عبدالباقی الزرقانی...... نے شرح مواھب ج ا ص ۴۴ پر لکھا ہے۔

۱۰۔ الامام شیخ الاسلام ابوزکریا یحییٰ النووی...... نے اپنی کتاب الایضاح کے الباب السادس ص ۴۹۸ پر لکھا ہے۔

۱۱۔ العلامہ ابن حجر الھیثمی...... نے اپنے حاشیہ علی الایضاح کے ص ۴۹۹ پر لکھا ہے۔اور الجوہر المنظم کے نام سے اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے۔

۱۲۔ الحافظ شہاب الدین محمد بن محمد بن الجوزی الدمشقی...... نے اپنی کتاب عدۃ الحصن الحصین کے فصل آداب الدعاء میں لکھا ہے۔

۱۳۔ العلامۃ الشیخ محمد بن علی الشوکانی...... نے اپنی کتاب تحفۃ الذاکرین کے ص ۱۶۱ پر لکھا ہے۔

۱۴۔ العلامہ الامام المحدث علی بن عبدالکافی السبکی...... نے اپنی کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام میں لکھا ہے۔

۱۵۔ الحافظ عماد الدین ابن کثیر...... نے اپنی تفسیر میں زیرآیت ولو انھم اذظلموا انفسھم الخ لکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر توسل کرنے والے اعرابی کا جو واقعہ عینی نے بیان کیا ہے اُسے ذکر کیا ہے اور اس پر کسی طرح کا اعتراض نہیں کیا۔

توسل آدم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بیان کیا ہے اور اسے موضوع نہیں کہا۔

البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۰.

اس شخص کا واقعہ بھی لکھا ہے جو قبر نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہوا اور اسنے توسل کیا اور کہا۔ان اسنادھا صحیح. ج ۱ ص ۹۱.

یہ بھی ذکر کیا کہ مسلمانوں کا شعار یا محمداہ ہے۔ج ۶ ص ۳۲۴۔

۱۶۔ الامام الحافظ ابن حجر...... آپ نے بھی اس شخص کا واقعہ نقل کیا ہے جو قبر نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہوا اور اس نے توسل کیا اور کہا کہ اس واقعہ کی سند صحیح ہے۔فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵

۱۷۔ الامام المفسر ابوعبداللہ القرطبی...... نے بھی زیرآیت ولو انھم اذظلموا انفسھم الخ جواز توسل کے بارے میں لکھا ہے ج ۵ ص ۲۶۵۔

صحابہ کرام
نبی کریم سے امیدوار شفاعت

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز نہیں اور کچھ متشددین کا گمان ہے کہ ایسا کرنا شرک وگمراہی ہے۔ ان کا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعاً (زمر۔۴۴)

''تم کہو شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے''

اس آیت سے یہ استدلال باطل ہے۔ اور ان کے اس استدلال سے ان کی فہم فاسد کا پتہ چلتا ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ کتاب یا سنت کی کوئی ایسی نص نہیں جو دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کے لئے مانع ہو۔

۲۔ اس آیت سے دوسری آیات قرآنی کی طرح صرف اس کا علم ہوتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ اسی کے لئے خاص ہے ملک اس کا ہے اور امر وحکم اور تصرف اس کا ہے البتہ وہ کسی کو کچھ دینا چاہے تو کوئی اسے روکنے والا بھی نہیں وہی مالک الملک ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے وہ ہر چیز کا خالق ومالک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَـــــهُ

الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ (التغابن ۔ ۱) ”اسی کی ساری سلطنت ہے اور اسی کی ساری تعریف ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مالک الملک بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے۔

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ .(ال عمران. ۲۶)

”جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے“

ایک جگہ اس نے یہ فرمایا ہے۔ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعاً.

(فاطر۔ ۱۰)

”جسے عزت کی چاہ ہو تو ساری عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے“

اور دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (منافقون۔۸)

”اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے“

شفاعت کے بارے میں اس نے یہ فرمایا ہے۔ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعاً. (زمر۔۴۴)

”تم کہو شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

اور یہ بھی فرمایا ہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا. (مریم۔۸۷)

”لوگ شفاعت کے مالک نہیں۔ ان کے سوا جنہوں نے رحمٰن کے پاس عہد و قرار رکھا ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے۔ وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ. (زخرف. ۸۶)

”اللہ کے سوا جنہیں یہ پوجتے ہیں وہ مالک شفاعت نہیں ہاں! شفاعت وہ کر سکتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا وہ عطا کیا عزت جو صرف اسی کے لئے ہے اسے جیسے

اور جس طرح اس نے چاہا اپنے رسول اور اہل ایمان کو بھی دیا۔

اسی طرح شفاعت جو صرف اسی کے لئے ہے اسے انبیاء و مرسلین اور اپنے صالح بندوں کو اس نے عطا فرمایا بلکہ بہت سے عام مسلمانوں کو بھی اس نے دیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

انسان اپنے مالک سے کچھ مانگے تو اس میں حرج کیا ہے؟ بالخصوص ایسی صورت مین جب کہ مالک و مسئول کریم و جواد ہو اور سائل شدید ضرورت مند و محتاج ہو۔

شفاعت دعاء ہی تو ہے۔ اور دعاء ماذون بھی ہے مقبول بھی ہے۔ خصوصاً انبیاء و صالحین اپنی حیات میں اور بعد وفات اپنی قبر اور قیامت میں اس دعاء کے لیے ماذون و مقبول ہیں۔ تو شفاعت کی ہر اس شخص کو اجازت ہے جس نے اللہ سے عہد باندھا ہو اور ہر صاحب ایمان کے حق میں اس کی شفاعت اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول بھی فرمائے گا۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کیا اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے طلب شفاعت شرک ہے اس لئے یہ شفاعت اللہ سے طلب کرو اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

انس بن مالک عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ انا فاعل انشاء الله. میں انشاء اللہ تمہاری شفاعت کروں گا۔" رواه الترمذی و حسنه فی باب ماجاء فی صفة الصراط."

حضرت انس کے علاوہ دوسرے صحابہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کیا ہے۔

سواد بن قارب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپ کے سامنے یہ

الیک رسول اللہ خبت مطیتی

تجوب الفیا فی من عمان الی العرج

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری سواری عمان سے عرج تک کے صحراو بیابان کو عبور کرتی ہوئی آپ کی بارگاہ تک پہنچی۔

لتشفع لی خیر من وطئی الحصا

فیغفرلی ربی فارجع بالفلج

کہ اے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر! آپ میری شفاعت فرمائیں تو میرا رب میری مغفرت فرمادے اور میری کامیاب واپسی ہو۔

(رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ ص ۴۴)

عکاشہ بن محصن نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت طلب شفاعت کیا جب آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار مسلمان بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے عکاشہ نے اس وقت عرض کیا۔ ادع اللہ ان یجعلنی منھم. آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی انہیں لوگوں میں شامل فرمادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلاتوقف کے فوراً ارشاد فرمایا "انت منھم" تم انہیں میں شامل رہو گے۔

یہ واضح ہے کہ شفاعت سے پہلے ہی یہ شفاعت کسی بھی اہل ایمان کو حاصل نہیں ہوگی۔ اور اہل قیامت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس کے بعد یہ شفاعت میسر آئے گی۔ تو یہاں اس کا مطلب آپ سے طلب شفاعت ہی ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ اور یہ ساری احادیث بتلاتی ہیں کہ دنیا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز ہے۔

اشعار پیش کرتے ہیں۔

واشھد ان اللہ لارب غیرہ

وانک مامون علیٰ کل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں۔ اور اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہیں۔

وانک ادنی المرسلین وسیلة

الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطائب

اور سارے رسولوں میں آپ کا وسیلہ اللہ سے قریب تر ہے اے پاکیزگی و شرافت والوں کے فرزند آخر میں سواد بن قارب عرض کرتے ہیں۔

فکن لی شفیعا یوم لاذو شفاعة

سواک بمغن عن سواد بن قارب

تو آپ اس دن میری شفاعت کریں جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کو کسی کی شفاعت کچھ فائدہ پہنچا کر بے نیاز نہ کر سکے۔

"رواہ البیھقی فی دلائل النبوة. ورواہ ایضا ابن عبدالبر فی الاستیعاب."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود ابن قارب کی اس طلب شفاعت پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

مازن بن الغضوب جب اسلام لاکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو یہ اشعار آپ کی خدمت میں پیش کر کے انہوں نے بھی طلب شفاعت کیا۔

جاتی ہے اور میری موت تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ ان میں اگر میں بھلائی پاؤں گا تو حمد الٰہی بجالاؤں گا اور برائی دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار کروں گا۔

رسول اکرم سے اس وقت بھی اگر کوئی طلب شفاعت کرے تو آپ اس بات پر قادر ہیں کہ اس کے لئے اللہ سے دعاء وسوال کریں۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنی حیات مقدسہ میں قبل وصال کیا کرتے تھے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے جو ہمارے قلوب میں راسخ اور جاگزیں ہے۔

ابن تیمیہ کے نزدیک آیات شفاعت کی تفسیر

اس تفسیر کا مفاد یہ ہے کہ اس دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز ہے۔ فتاویٰ شیخ ابن تیمیہ میں ہے۔

منکرین شفاعت ان آیات کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ. (بقرہ. ۴۸)

''اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان کسی جان کا بدلہ نہ ہو پائے گی اور جس دن کسی کافر کے لئے کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے گی۔''

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ. (بقرہ۔۱۲۳)

''نہ کسی جان کو کچھ لے کر چھوڑا جائے نہ کسی کی سفارش کوئی فائدہ پہنچائے۔''

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (غافر۔۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. (مدثر۔۴۸)

"تو انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ پہنچائے گی۔"

اہل سنت کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہاں دو چیزیں مراد ہیں۔

۱۔ مشرکین کو شفاعت کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَ كُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ. حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. (مدثر۴۲۔۴۴)

"تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔ اور مسکین کو کھانا نہ کھلاتے تھے۔ اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکر کرتے تھے۔ اور یوم جزا کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی۔ تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی۔"

ان کے بارے میں صاف کہا گیا ہے کہ سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش انہیں فائدہ نہیں پہنچائے گی کیوں کہ یہ کافر و مشرک ہیں۔

۲۔ اس شفاعت کی نفی ہے جو اہل شرک یا ان سے ملتے جلتے کتابی و بدمذہب مسلمان جن کا گمان ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں کچھ معزز لوگ اس کے اذن کے بغیر بھی شفاعت کر سکیں گے۔ جیسے انسان آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کرتے ہیں تو طمع وخوف یا معاوضہ کے لئے ان کی سفارش مان لی جاتی ہے۔

مشرکین نے انبیاء و ملائکہ و صالحین کو اپنا شفیع بنا رکھا تھا۔ ان کے مجسمے بنا کر ان سے طلب شفاعت کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کے خواص و مقربین ہیں۔

مندرجہ بالا ساری تحریر شیخ ابن تیمیہ کی ہے۔ جس سے ان آیات کی حقیقت خوب

اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جن سے منکرین یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں طلب شفاعت جائز نہیں یا اسے شرک و گمراہی قرار دیتے ہیں۔

تفسیر ابن تیمیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت کسی مشرک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور اسی سلسلے میں مذکورہ آیات کا نزول بھی ہوا ہے۔ یا اس شفاعت کی نفی ہے جو اہل شرک کی ہے کہ ان کے اعتقاد کے مطابق بغیر اذن الٰہی بھی شفاعت کی جا سکتی ہے۔

شفاعت کا جو نظریہ شیخ ابن تیمیہ نے یہاں بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے بفضلہ تعالیٰ شفاعت کے اسلامی تصور ہی پر ہمارا اعتقاد ہے۔ اور ہم صراحۃً کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص اس عقیدت یا گمان کہ تحت طلب شفاعت کرے کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر شفاعت فرمائیں گے تو یہ بلا شبہ شرک یا گمراہی ہے۔ لیکن حاشا و کلاثم حاشا و کلا حاشا و کلا اس طرح کا ہمارا نہ عقیدہ ہے نہ گمان اور ہم بارگاہ الٰہی میں اس سے اظہار برأت کرتے ہیں۔

ہم طلب شفاعت کرتے ہیں تو ہمارا عقیدہ ہوتا ہے کہ بغیر اذن الٰہی کوئی بھی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اور اللہ کی مشیت و مرضی اور اس کی توفیق کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

طلب شفاعت کی مثال ایسی ہے جیسے دخول جنت کی طلب، حوض کوثر سے سیرابی کی طلب، پل صراط سے نجات کی طلب یہ ساری چیزیں اذن الٰہی سے اپنے مقررہ وقت ہی پر ہوں گی اور اس میں کسی صاحب عقل کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ چھوٹے سے چھوٹا طالب علوم اسلامیہ جس نے کتب اسلاف کا مطالعہ کر رکھا ہے اس پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہو گی۔

اللھم افتح مسامع قلوبنا و نور ابصارنا

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

کامعنٰی

استعانت واستغاثہ وطلب وسوال ونداء میں اصل یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالیٰ ہی سے ہو کیوں کہ وہی معین ومغیث ومجیب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَالَا یَنۡفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ. وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ. (یونس۔١٠٦)

''اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کر جو نہ تجھے نفع پہنچا سکے نہ نقصان۔ پھر اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں سے ہوگا۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے ٹالنے والا نہیں۔''

فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَاللّٰہِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡہُ. (عنکبوت. ١٧)

''تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈھو اور اس کی عبادت کرو۔''

وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ اِلٰی یَوۡمِ

الْقِيَامَةِ. (احقاب۔۵)

''اوراس سے بڑھ کر گمراہ کون جواللہ کے سواایسوں کی عبادت کرے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں۔''

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ السُّوْءَ (نمل. ۶۲)

''یاوہ جومجبوروں کی پکار سنتا ہےاور مصیبت دور کرتا ہے۔''

تمام اقسام عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔کسی قسم کی عبادت کسی بھی وقت غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ . لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ. (انعام۔۱۶۲)

''تم کہو میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔یہی مجھے حکم ہوا ہےاور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔''

نذر ہوتو اللہ کے لئے ہو۔دعا صرف اس سے کی جائے۔ذبیحہ پر صرف اس کا نام لیا جائے۔استغاثہ'استعانت'استعاذہ سب کچھ اللہ سے ہو۔حلف اللہ ہی کے نام پر ہو۔اور توکل صرف اسی پر کیا جائے۔سبحنہ وتعالیٰ عمایشرک بہ المشرکون علوا کبیرا.

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا اوران کے افعال کا خالق ہے۔اس کے سوا کسی زندہ مردہ کی کوئی تاثیر نہیں۔اللہ کے ساتھ کوئی بھی کسی فعل یا ترک یا رزق یا زندگی دینے یا مارنے میں شریک نہیں۔نہ کوئی مخلوق کسی فعل یا ترک پر بالذات قادر ہے۔نہ کسی چیز میں اعلیٰ یا ادنیٰ سطح پر کوئی اللہ کا شریک وسہیم ہے۔

کائنات میں تصرف کرنے والا صرف اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ ہے۔ کوئی خود اپنی جان کا مالک ہے نہ کسی دوسرے کی جان کا مالک ہے۔ نفع ونقصان، موت وحیات کسی چیز میں کوئی کسی کا مالک نہیں۔ الاماشاء الله باذن الله.

نفع وضرر کا اللہ کا جانب سے کسی کو اذن ملے تو اس کی بھی ایک حد اور قید ہے۔ اور مخلوق کی طرف اس کی نسبت بر سبیل سببیت وتکسب ہے۔ بر سبیل خلق یا ایجاد یا تاثیر یا علۃ یا قوۃ نہیں۔ اور یہ نسبت بھی مجازی ہوگی حقیقی نہیں۔

ان حقائق کی تعبیر میں لوگوں کا اختلاف ہے کچھ لوگ استعمال مجاز میں حد سے آگے تجاوز کر جاتے ہیں جس سے خود ان کے مقصود کے خلاف لفظی اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ ان کا دل اور وہ خود اس سے بری ہوتے ہیں۔ اور کمال توحید وتنزیہ باری تعالیٰ پر ان کا مکمل ایمان ہوتا ہے۔

اور بعض لوگ تمسک بالحقیقۃ کے نام پر حدِ اعتدال سے آگے بڑھ کر تشدد وانتہا پسندی پر اتر آئے ہیں۔ لوگوں کے معاملات ومعمولات میں ان کے عقیدہ کے برعکس اتہام وبہتان تراشی کرنے لگتے ہیں۔ بدتمیزی وبے ادبی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں۔ اور ان پر ایسا حکم عائد کر ڈالتے ہیں جن سے وہ ہر طرح بری الذمہ ہیں۔

حالاں کہ ضروری یہ ہے کہ اعتدال وتوازن کا رویہ اختیار کیا جائے اور کسی کی نیت ومقصود کے خلاف اس کی طرف کسی خیال وعمل کو منسوب نہ کیا جائے۔ یہی دین کے لئے محفوظ طریقہ اور مقام توحید کی حمایت کے لئے بہتر احتیاطی تدبیر ہے۔ واللہ اعلم۔

حق سبحٰنہ وتعالیٰ سے مختص جن عقائد کا خلاصہ شیخ ابن تیمیہ نے نہایت جامع طور پر تحریر کیا ہے وہ بڑا ہی مبنی بر حقیقت اور عین اسلامی عقیدہ پر مشتمل ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔

اللہ سبحنہ وتعالٰی کے حقوق میں کوئی مخلوق شریک نہیں۔ اس لئے عبادت صرف اللہ کے لئے ہے۔ دعاء صرف اسی سے ہے۔ توکل صرف اسی پر ہے۔ امید صرف اسی سے ہے۔ خوف صرف اسی سے ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ملجاد ماویٰ نہیں۔ بھلائیاں وہی عطا کرتا ہے۔ برائیاں وہی مٹاتا ہے۔ طاقت وقوت صرف اسی کی ہے۔

وَلَاتَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّالِمَنْ اَذِنَ لَهُ. (سبا۔۲۳)

''اور اس کے پاس شفاعت مفید نہیں ہوگی مگر اس کی جسے اللہ کا اذن حاصل ہو۔''

مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ. (بقرہ۔۲۵۵)

''کون ہے جو اللہ کے اذن کے بغیر اس کے پاس شفاعت کرے۔''

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا. لَقَدْ اَحْصَاھُمْ وَعَدَّھُمْ عَدًّا. وَکُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَرْدًا. (مریم۔۹۳۔۹۵)

''آسمانوں اور زمینوں میں جتنے ہیں وہ سب اس رحمٰن کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔ بیشک وہ ان کا شمار جانتا ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے۔ اور سب کے سب قیامت میں اس کے حضور تنہا حاضر ہوں گے۔''

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ.
(نور۔۵۲)

''اور جو اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔''

اس آیت میں طاعت کا اللہ نے اپنے لئے اور رسول کے لئے حکم دیا ہے لیکن خشیت وتقویٰ کو اللہ نے اپنے لئے خاص کر دیا ہے۔

جائے وہ اسے سنے اور مدد کرے۔

اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کی جائے ضرورت مند کی اعانت کی جائے اور دوسروں کی پریشانیاں دور کی جائیں۔

اور جن انبیاء وصالحین کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا کر فریاد رسی و دفع بلاء کے لئے ان سے استغاثہ کیا جاتا ہے ان سب کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و حیثیت سب سے عظیم وجلیل ہے۔

یوم قیامت سے بڑھ کر آفت و مصیبت کا اور کون سا دن ہوگا جس کا دن بڑا ہی لمبا ہوگا۔ ہر طرف ہجوم خلق ہوگا۔ گرمی اور پسینہ سے کروڑوں مخلوق کا برا حال ہوگا۔ لیکن اس ہولناک مصیبت کے باوجود لوگ بارگاہ الٰہی میں استغاثہ کے لئے صالحین وابرار کو وسیلہ بنائیں گے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ ایسے عالم میں حضرت آدم سے استغاثہ کریں گے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ استغاثہ کا استعمال کیا ہے جو صحیح بخاری موجود ہے۔

صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت و استغاثہ کرتے تھے۔ طلب شفاعت کرتے تھے۔ مرض ومحتاجی، قرض و مصیبت اور ہر آزمائش و بے بسی کے وقت آپ سے عرض حال کیا کرتے تھے۔ آلام وشدائد کے وقت آپ کے دربار میں پہنچ کر فریاد رسی کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور ان سارے مواقع پر صحابہ کرام کا یہی عقیدہ ہوا کرتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نفع وضرر میں واسطہ وسبب ہیں فاعل حقیقی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

چند واقعات طلب واستعانت صحابۂ کرام

ابوہریرہ کی شکایت نسیان

ابوہریرہ رضی اللہ تعالی سے روایت ہے۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ حدیث شریف سن کر وہ بھول جاتے ہیں۔

انہوں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ سے بہت کافی حدیثیں سنتا ہوں مگر انہیں بھول جاتا ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ بھولنے نہ پاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔اپنی چادر پھیلاؤ۔انہوں نے چادر کو پھیلا دیا۔آپ نے اپنے دست مبارک سے چادر میں ہوا پھینکی اور حکم دیا کہ اسے اپنے سینے سے لگالو۔تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد ابوہریرہ کہتے ہیں۔فمانسیت شیئا. پھر میں کچھ بھی نہیں بھولا۔

(رواہ البخاری فی کتاب العلم باب حفظ العلم رقم الحدیث ۱۱۹.)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ابوہریرہ یہی تو طلب کر رہے ہیں کہ اب میں کچھ نہ بھولوں۔میرے اوپر نسیان نہ طاری ہو۔اور یہ ایسی طلب ہے جس کی تکمیل پر صرف اللہ وحدہ لاشریک قادر ہے۔لیکن نبی اکرم نے ابوہریرہ کو نہ برا بھلا کہا نہ یہ فرمایا کہ تم شرک کر رہے ہو۔

ہر شخص جانتا ہے کہ موحد جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی جاہ وعزت والے بندے سے کچھ طلب کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مقرب بندہ کسی چیز کی تخلیق کرے اور خود سے کچھ کرے اور اس طالب کا اس کے بارے میں ایسا عقیدہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی چیز تخلیق کر سکتا ہے اور بے اذن الٰہی کچھ کر سکتا ہے۔اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے

کہ اللہ رب العزت نے اسے دعا کی جو قدرت دے رکھی ہے اور اپنی مشیت کے مطابق جتنے تصرف کی قوت دے رکھی ہے اس دعاء وتصرف سے وہ سبب وذریعہ بن جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ کی طلب پوری کردی۔ اور اس روایت میں کہیں نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کوئی دعا کی۔ بلکہ انہوں نے ہاتھوں میں ہوا لے کر اسے ان کی چادر میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ اسے سینے سے لگالیں۔ اور پھر یہی چیز اللہ کے فضل سے ان کے لیے تکمیل حاجت کا سبب بن گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ سے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم مجھ سے سوال کیوں کررہے ہو۔ اللہ تم سے زیادہ قریب ہے اس سے سوال کرو۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ حوائج کی تکمیل میں معتمد اور ملجاو ماویٰ اصلاً وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں امور ومعاملات کی کنجیاں ہوں۔ تو یہاں حقیقۃً طلب اللہ عزوجل سے ہے اور مجازاً عرض حاجت نبی اکرم سے ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ سے زیادہ قریب ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں انہیں قدر ومنزلت حاصل ہے۔

قتادہ کا استغاثہ

قتادہ بن نعمان کی آنکھوں کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آ گیا تھا جسے لوگوں نے کاٹ کر الگ کر دینا چاہا۔ قتادہ نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ پہلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لوں اس کے بعد کچھ ہو سکتا ہے۔ پھر قتادہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں پھر اپنی ہتھیلی ان کی آنکھ کے ڈھیلے پر رکھ کر اسے کچھ اشارہ کر کے جنبش دی تو وہ بالکل اپنی پرانی حالت میں آ گئی اور دوسری آنکھ سے بھی زیادہ صحیح ہو گئی۔ رواہ البغوی وابویعلیٰ واخرجہ الدارقطني و ابن شاهين والبيقهي في الدلائل. وقلها الحافظ ابن حجرفي الاصابة ج ۳ ص ۲۲۵. والحافظ الهيثمي في

مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۷ والحافظ السیوطی فی الخصائص الکبریٰ۔

ایک صحابی کی استعانت

محمد بن عقبہ بن شرجیل سے روایت ہے۔ انہوں نے اپنے دادا عبدالرحمٰن سے روایت کی۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں زخم نکل آیا تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس زخم کی وجہ سے اتنا ورم ہو گیا ہے کہ نہ تلوار کا دستہ پکڑا جاتا ہے نہ سواری کی لگام پکڑی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے قریب آؤ۔ میں آپ کے قریب پہنچا۔ آپ نے اس زخم کو کھول کر میری ہتھیلی پر پھونک ماری پھر اپنا دست شفا اس زخم پر رکھ دیا اور اسے اپنی ہتھیلی سے مسلتے رہے۔ اور جب اپنا ہاتھ آپ نے اٹھایا تو میری ہتھیلی پر زخم کا اثر بھی مجھے نظر نہیں آیا۔" رواہ الطبرانی وذکرہ الحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸۔"

معاذ کی طلب

غزوۂ بدر میں دوران جنگ عکرمہ بن ابی جہل نے معاذ بن عمرو بن جموح کے شانے پر تلوار ماری۔

معاذ کہتے ہیں۔ تلوار کی ضرب سے میرا ہاتھ کٹ کر پہلو کی کھال کے ساتھ لٹک گیا جس کی وجہ سے اس سے لڑائی جاری رکھنا میرے لئے دشوار ہو گیا پھر بھی میں نے اسے دن بھر گھسیٹتے ہوئے جہاد کیا، لیکن جب تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس کٹے ہوئے ہاتھ پر میں اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو گیا اور کھینچ کر میں نے اسے الگ کر دیا۔

مویشی ہلاک ہونے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعاء فرمائی تو بادل چھٹ گیا اور بارش صرف مدینہ کے اردگرد ہونے لگی (یعنی مدینہ اس طوفانی بارش سے محفوظ ہوگیا) رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا. وروی ابوداؤد بسند جید عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت شکا الناس الی رسولاللہ قحط المطر. رواہ ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ ابواب الاستسقاء. واخرج البیھقی فی دلائل النبوۃ عن انس. بسند لیس فیہ متھم بالوضع وانظر فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵.

انس بن مالک سے روایت ہے۔ایک اعرابی حاضر بارگاہ رسالت ہوا اور عرض کرنے لگا کہ بچے اور اونٹ بھوک پیاس سے بدحال ہیں۔پھر یہ اشعار پڑھنے لگا۔

اتیناک والعذراء تدمی لبانھا

وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم اس حال میں حاضر خدمت ہوئے کہ دوشیزاؤں کے پستان سے خون نکل رہا ہے اور مائیں اپنے بچوں سے غافل ہوچکی ہیں۔

والقی بکفیہ الفتی استکانۃ

من الجوع ضعفا مایسر ولایحلی

اور نوجوان جنہیں بھوک کی ناتوانی سے کچھ اچھا نہیں لگتا وہ لاغر ہوکر بے سدھ پڑے ہوئے ہیں۔

ولاشئی مما یاکل الناس عندنا

سوی الحنظل العامی والعلھن الفسل

سوائے کڑوے کسیلے ردی حنظل و علھز کے ہمارے پاس کچھ نہیں جسے لوگ کھا سکیں۔

ولیس لنا الا الیک فرارنا

واین فرار الناس الا الی الرسل

یارسول اللہ! ہماری پناہ گاہ تو صرف آپ ہیں۔ اور رسولوں کے علاوہ لوگ کہاں پناہ ڈھونڈھیں؟

اس اعرابی کی فریاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے منبر تک گئے اور اس پر چڑھ کر ہاتھ اٹھا کر یہ دعاء فرمائی۔

''اے اللہ! ہمیں خوب اچھی موسلا دھار نفع بخش غیر مضر خوشگوار بارش سے بلا تاخیر سیراب فرما جس سے تھن بھر جائیں۔ کھیتی لہلہا اٹھے۔ مردہ زمین زندہ و شاداب ہو جائے۔''

انس بن مالک نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ابھی دعاء ہی کی حالت میں تھا کہ خوب موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ لوگ سیلاب سے تنگ آ کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے۔ اور آپ نے پھر دعاء فرمائی حوالینا ولا علینا. ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر بارش نہ ہو۔ اس دعاء سے مدینہ سے بادل چھٹ گیا۔

مذکورہ دعاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیث مغیث نافع غیر ضار وغیرہ فرمایا۔ نفع واغاثہ کیا اسناد غیث کی طرف ہے جو بطور مجاز ہے۔ اسی طرح اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء دیتے ہوئے یہ کہا ہے۔ ولیس لنا الا الیک فرارنا. لیکن اسے مشرک نہیں کہا گیا۔ کیوں کہ اس میں قصر محض اضافی ہے۔ جب کہ قرآن حکیم کا یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ. (ذریٰت. ۵۰) ''تو اللہ کی طرف پناہ ڈھونڈھو۔''

اعرابی کے پورے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ فرار (پناہ) صرف آپ کی طرف مفید ہے۔ دوسرے کے دروازے کی طرف نہیں۔ اور سولوں ہی کی طرف فرار کا رخ ہونا چاہیے دوسروں کی طرف نہیں کیوں کہ یہ مرسلین کرام ان سب نفوس قدسیہ میں افضل و اعلیٰ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کیا جاتا ہے۔ اور ان سب میں اعظم و اکرم ہیں جن کی بدولت رب کائنات فریادیوں اور پناہ ڈھونڈھنے والوں کی حوائج و ضروریات پوری فرماتا ہے۔

اور ذرا اس منظر پر بھی غور کیجئے کہ اعرابی کی اس منظوم فریاد کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے متاثر ہوئے اور کتنی جلدی اس کی فریادرسی و اعانت فرمائی کہ فوراً اٹھ کر منبر تک پہنچے اور چادر گھسٹتی جا رہی تھی۔ فریادی کی مدد کا جذبہ اتنا غالب تھا کہ چادر کو بدن پر ٹھیک سے رکھ لینے کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی۔ علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ملجا و ماویٰ

حسان بن ثابت انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء و خطاب کرتے ہوئے آپ کو رکن معتمد اور ملجا و ماویٰ قرار دیا ہے۔

بارگاہ رسول میں حسان بن ثابت عرض کرتے ہیں۔

یا رکن معتمد و عصمۃ لائذ

وملاذ منتجع و جار مجاور

اے سہارا ڈھونڈھنے والے کے لئے مضبوط ستون اور پناہ ڈھونڈھنے والے کی پناہ گاہ! مدد چاہنے والے کے لئے ٹھکانہ اور پڑوس کے لئے بہترین پڑوسی۔

یامن تخیرہ الالٰہ لخلقہ
فحباہ بالخلق الزکی الطاہر

اے وہ ذات گرامی! جسے اللہ نے اپنے مخلوقؑ کے درمیان چن لیا ہے اور صاف ستھرے اخلاق سے نوازا ہے۔

انت النبی و خیر عصبة آدم
یامن یجود کفیض بحر زاخر

خدائے عزیز وقادر کی طرف سے نصرت کے لئے جبریل ومیکائیل دونوں بطور مدد آپ کے ساتھ ہیں۔(الاصابة ۲۶۴/۱. الروض الانف ۹۱/۲)

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا حمزہ بن عبدالمطلب کی موت پر آپ روئے ہیں۔آپ کے جنازہ کو قبلہ رو کر کے اس کے پاس کھڑے ہو کر پھوٹ پھوٹ کر اور سسکیاں لے لے کر آپ رونے لگے اور پھر کہنے لگے۔

اے حمزہ! اے عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اے شیر خدا! اے شیر رسول! اے حمزہ !اے فاعل الخیرات (بھلائیاں کرنے والے) اے حمزہ !اے کاشف الکربات !(پریشانیاں دور کرنے والے)۔ اے رسول اللہ کی طرف سے دفاع کرنے والے !اھ۔عند ابن شاذان من حدیث ابن مسعود. من المواھب اللدنیة ج ۱ ص ۲۱۲.

اگر کوئی شخص کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ واستعانت' عرض حاجت و طلب شفاعت وغیرہ صرف آپ کی حیات میں جائز وصحیح ہیں موت کے بعد تو کفر ہیں۔ یا کچھ نرم ہوا تو یہ کہے کہ غیر مشروع یا ناجائز ہیں۔

تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ قائل کے مطابق اگر توسل واستغاثہ کے لئے زندگی ہی شرط ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اسی طرح اللہ کے دوسرے نیک اور صالح بندے بھی زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے توسل واستغاثہ صحیح ہونے کے لئے کوئی فقیہ اگر صرف اسی قیاس پر اکتفاء کر لے کہ آپ کی دنیوی حیات میں آپ سے توسل واستغاثہ صحیح ہے تو اس کا یہ قیاس اپنی جگہ درست بھی ہے اور کافی بھی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی الدارین ہیں۔ بعد واصل بھی زندہ اور اپنی امت کے حالات سے باخبر ہیں۔ باذن اللہ وہ معاملات ومسائل امت میں متصرف ہیں۔ آپ پر درود بھیجنے والے امتی کا سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور اپنی کثرت کے باوجود آپ کی امت کا سلام آپ تک پہنچتا ہے۔

عالم ارواح بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ خصائص ارواح عالیہ کے بارے میں جن اصحاب علم کا وسیع مطالعہ ہے۔ ان کا دل اس حقیقت پر ایمان لانے کے لئے وسیع نظر آئے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو روح الارواح اور نور الانوار ہیں وہ ان خصائص کے افضل واعلیٰ مدارج ومراتب سے متصف ہیں۔

منکرین کے خیال فاسد کے مطابق اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ یا توسل یا طلب شفاعت شرک وکفر ہے تو آپ کی حیات دنیوی وحیات اخروی ویوم قیامت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ناجائز ہے۔ کیوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے نزدیک ہر حال میں شرک مذموم ومعیوب ہے۔

ایک باطل خیال

مردہ شخص کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ اسے کسی چیز کی قدرت نہیں۔ غلط اور

باطل ہے۔ اگر یہ دعویٰ اس اعتقاد کی بنیاد پر ہے کہ مردہ مٹی بن جاتا ہے۔ تو یہ عین جہل ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ رب العزت کے ارشاد سے حیات ارواح کا ثبوت وبقاء واضح ہے کہ جسم سے جدا ہو کر روح باقی رہتی ہے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر ارواح کو آواز دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

یاعمرو بن هشام و یاعتبة بن ربیعة ویافلان بن فلان انا وجدنا ماوعدنا ربنا حقافهل وجدتم ماوعد ربکم حقا.

اے عمرو بن ہشام! اے عتبہ بن ربیعہ! اے فلاں بن فلاں ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟

کچھ لوگوں نے عرض کیا۔ یہ کیا؟

آپ نے ارشاد فرمایا۔ **ومـاانتم بـاسـمـع مما اقول منهم.** تم لوگ میری باتیں ان مردوں سے زیادہ نہیں سن پاؤ گے۔

اسی طرح آپ نے اہل قبور کو ندا دیتے ہوئے انہیں سلام فرمایا۔ **الســـــلام علیکم یا اهل الدیار.**

اسی طرح قبر میں روحوں کو ثواب بھی ملتا ہے۔ اور انہیں عذاب بھی دیا جاتا ہے۔ روحیں گھروں میں بھی آتی جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے دلائل و براہین بھی حیاۃ ارواح کی تائید کرتے ہیں۔ اور اسلام واہل اسلام اسے بعد وفات بھی باقی مانتے ہیں۔ اسی طرح فلسفۂ قدیمہ وجدیدہ کے نزدیک بھی حیاۃ ارواح ثابت ہے۔

منکرین حیاۃ ارواح سے یہاں ہمارا صرف ایک سوال ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ یہ منکرین اس

قرآنی ارشاد کو مانتے ہیں یا نہیں؟

اگر نہیں مانتے تو پھر ایسے بدنصیبوں سے ہم کوئی بات نہیں کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ وہ ان قرآنی آیات کی تکذیب کر رہے ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (بقرہ۔۱۵۴)

''اور جو اللہ کی راہ میں شہید کیے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں شعور نہیں۔''

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (آل عمران۔۱۶۹)

''اور جو اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے انہیں مردہ نہ سمجھو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔انہیں رزق دیا جاتا ہے۔''

اور اگر وہ حیاۃ شہداء کے قائل ہیں تو ان سے ہم کہیں گے کہ انبیاء و مرسلین کرام اور بہت سے صالحین وابرار جو شہید نہیں مثلاً اکابر صحابہ وغیرہ وہ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں۔ اور جب حیاۃ شہداء ثابت ہے تو شہداء سے افضل نفوس قدسیہ کی حیاۃ یقیناً ثابت ہے۔اور حیاۃ انبیاء کی تو احادیث صحیحہ میں تصریح بھی ہیں۔

دلائل قطعیہ سے جب حیاۃ ارواح ثابت ہے تو اب ثبوت حیات کے بعد اس کے خصائص کا اثبات ہی باقی رہ جاتا ہے۔کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے۔ثبوت ملزوم موجب ثبوت لازم اور نفی لازم موجب نفی ملزوم ہے۔

ہر انسان جسم و روح کا مرکب ہے۔اور ہر آدمی ایک دوسرے سے استعانت کرتا ہے یا ملائکہ سے استعانت کرتا ہے۔تو پھر ارواح صالحین کو وسیلہ بنا کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے

استمداد واستعانت کے لئے مانع عقلی کیا ہے؟

تصرفات ملائکہ کے لئے جس طرح کسی آلہ وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح تصرفات ارواح کا بھی معاملہ ہے۔ ہمارے دنیاوی قوانین تصرفات وہاں نہیں چلتے کیوں کہ وہ ایک دوسرا عالم ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ (اسراء ۸۵)

''اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔تم کہو روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔''

بلاشبہ ارواح کو اتنی آزادی ہے کہ وہ زندوں کے برابر بلکہ ان سے زیادہ ہی کسی پکارنے والے کی پکار سن سکتے ہیں اور مدد چاہنے والے کی مدد کر سکتے ہیں۔

منکرین حیاۃ ارواح اگر یہ کہیں کہ ہم تو صرف محسوسات کو جانتے ہیں اور مشاہدات ہی کو مانتے ہیں۔تو یہ نیچریوں کا وطیرہ ہے اہل ایمان کا نہیں۔

یہاں ہم علیٰ سبیل التنزل تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لیں کہ جسم سے جدا ہو کر روح کے اندر کوئی کام کرنے کی قدرت باقی نہیں رہ جاتی۔تو برائے بحث ان کی یہ بات تسلیم کر کے بھی ہم یہ کہیں گے کہ جن انبیاء و اولیاء سے مدد مانگی جاتی ہے ان کی مدد اس عالم کے تصرف ارواح کی طرح نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے زائر یا استغاثہ کرنے والے کی مدد دعاء کے ذریعہ کرتے ہیں۔جیسے کوئی مرد صالح کسی دوسرے کے لئے دعا کرتا ہے۔تو یہ ایسے ہی ہے جیسے فاضل مفضول کے لئے دعاء کرے۔یا کم از کم ایسے ہے جیسے بھائی بھائی کے لئے دعا کرے۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ نفوس قدسیہ زندہ ہیں۔احساس و شعور اور علم رکھتے ہیں۔ بلکہ بدن سے جدا ہو کر ان ارواح کا علم و شعور زوال حجابات خاکی و عدم

منازعات شہوات بشری کے باعث کچھ اور زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔ بلکہ کافی اضافہ اور ترقی ہو جاتی ہے۔

احادیث کریمہ میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمال امت پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں آپ خیر پاتے ہیں تو اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ پر استغفار کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حقیقۃً مستغاث بہ اللہ تعالیٰ ہے۔ مدد اسی سے طلب کی جاتی ہے۔ البتہ سائل اپنی فریاد رسی اور امداد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بناتا ہے۔ فاعل حقیقی اللہ ہی ہے۔ سائل مقربین و صالحین کو بارگاہ الٰہی میں محض وسیلہ اور واسطہ بناتا ہے۔ گویا سائل بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! میں فلاں کو محبوب رکھتا ہوں اور وہ تیرا صالح بندہ ہے۔ اس کے ذریعہ تو میرے اوپر رحم فرما۔ اور رب کائنات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء و اولیاء و علماء کے صدقہ میں بے شمار انسانوں کو اپنے رحم و کرم سے نوازتا بھی ہے۔

مختصر یہ کہ بعض صحابہ و عشاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی صلی اللہ علیہ سلم کے صدقہ و طفیل میں بلکہ بہت سے بندوں پر بہت سے صالحین کے توسل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا انعام و اکرام ایک امر معروف ہے جس سے سبھی مسلمان واقف ہیں۔

زندہ مسلمان اپنے مرحومین کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ترقی درجات کی دعاء کرتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم ان کے لئے سفارش کرتے ہیں تو ہماری سفارش قبول فرما۔ یہ بھی بندوں کے ذریعہ بندوں کی مدد کا ایک شرعی طریقہ ہے۔

کیا غیر مقدورِ عبد کی طلب شرک ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل وطلب کرنے والے اہل ایمان کی تکفیر کرنے والوں کا ایک باطل دعویٰ یہ بھی ہے کہ:

لوگ وفات یافتہ انبیاء وصالحین سے ایسی چیزیں طلب کرتے ہیں جن کی قدرت اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لئے یہ طلب شرک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف واخلاف کے مسلک پر بدگمانی اور کج فہمی کے سوا اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

انبیاء وصالحین کو مسلمان وسیلہ وسبب بناتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی سے جو مراد مانگی جارہی ہے اسے پوری کرنے میں یہ سبب بن جائیں۔ ان کی دعاء وشفاعت اور توجہ کے سبب اللہ تعالیٰ مراد پوری فرمادے۔

اور یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نابینا صحابی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر آپ کو وسیلہ بنایا اور اللہ سے طلب واستغاثہ میں آپ وسیلہ بنے۔ باذن اللہ وہ مراد پوری بھی ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا صحابی سے نہیں فرمایا کہ تم نے مجھ سے یہ طلب وتوسل کر کے شرک کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے خوارق عادات کی طلب مثلاً لاعلاج مرض سے بغیر دوا کے شفا یابی' بغیر بادل کے بارش برسانا' بصارت واپس کر دینا' انگلیوں سے پانی کا فوارہ جاری کرنا' تھوڑے سے کھانا کو زیادہ بنادینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری چیزیں عادۃً انسانی قدرت سے باہر ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیزیں مانگی گئیں اور آپ کے توسل وتوسط سے صحابہ کرام کو یہ چیزیں ملیں۔ کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا۔ تم نے مجھ سے ایسی چیزیں طلب کی ہیں جن پر صرف اللہ قادر ہے۔ اس لئے تم مشرک ہو گئے۔ تمہارے لئے تجدید اسلام

ضروری ہے۔

کیا یہ آج کے علمبرداران توحید معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ حقیقت توحید سے واقف ہیں؟ عالم تو درکنار کوئی جاہل مسلمان بھی کبھی ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔

اللہ کے نبی حضرت سلیمان نے اپنے دربار میں موجود جن وانس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ. (نمل۔۳۸)

اے درباریو! تم میں کون اس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہو کر میرے حضور حاضر ہوں۔

حضرت سلیمان ملک شام میں رہ کر ملک یمن کی ملکہ سبا کا تخت بطور خرق عادات اپنے دربار میں لانے کا مطالبہ فرمارہے ہیں تاکہ یہ عمل ملکہ سبا کے لئے ایک نشانی بن جائے جو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے رہی تھی۔

ایک بڑے طاقت ور جن نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا۔

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ. (نمل۔۳۹)

''میں اس کا تخت آپ کے پاس حاضر کردوں گا اس سے پہلے کہ آپ اپنا اجلاس برخاست کریں۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ تو دربار میں موجود ایک صاحب علم کتاب انسان جو صدیقین میں سے تھا' اس نے کہا۔

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ. (نمل۔۴۰)

''میں اس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا۔''

یعنی اگر آپ مجھے بھیجیں تو میں پلک جھپکتے ہی ملکہ سبا کا تخت آپ کے دربار میں حاضر کردوں۔اور جب حضرت سلیمان نے اس انسان کو حکم دیا تو اس نے پلک جھپکتے ہی اس تخت کو آپ کے سامنے لاکر حاضر کردیا۔

اس طرح تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا صرف اللہ کی قدرت ہے۔ اور عادۃً مقدور جن وانس سے باہر ہے۔لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے اس کا مطالبہ کیا۔اور ایک صدیق نے آپ کے حکم پر عمل بھی کیا۔تو کیا اللہ کے نبی حضرت سلیمان نے اپنی اس طلب سے کوئی کفر کیا؟ اور ان کی طلب کو عملی شکل دے کر اللہ کے ایک ولی نے شرک کیا۔حاشاوکلا۔

یہ نسبت فعل بطور مجاز عقلی ہے۔اور جائز ہے بلکہ رائج ہے۔

اگر اب بھی کوئی پہلو مخفی رہ گیا ہے تو ہم اس کی مزید وضاحت کردیتے ہیں کہ لوگ انبیاء و اولیاء سے بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بننے اور شفاعت کرنے کی طلب کرتے ہیں جس پر اللہ نے انہیں قادر بنایا ہے۔

بالفرض کوئی شخص کہے۔اے اللہ کے نبی! مجھے شفا دیجئے اور میری مراد و ضرورت پوری کیجئے۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ کی بارگاہ الٰہی میں شفاعت کیجئے اور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے شفا دے اور میری مراد پوری فرمائے۔ اگر اس نبی نے بارگاہ الٰہی میں دعاء وشفاعت کی تو اس دعا وشفاعت پر اللہ نے اس نبی کو قادر بھی بنایا ہے۔

یہی ہمارا عقیدہ ہے۔اور کلام میں مجاز عقلی تو خود قرآن میں ہے۔مثلاً:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ. (یٰس۔۳۶)

''پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں میں سے جنہیں زمین

مطلقاً ممنوع ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مقصود یہ ہے کہ اسباب کے ذریعہ ظہور پذیر ہونے والے امور خیر حقیقۃً اللہ کی جانب سے ہیں۔ مخلوقات کے ذریعہ جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں اس لیے سوال واستعانت کرنے والا شخص اسباب ومخلوقات پر نہیں بلکہ اصلاً خالق اسباب ورب مخلوقات پر بھروسہ رکھے اور اپنے آپ کو اسی کا محتاج سمجھے۔ سارا اعتماد اللہ ہی پر رہے اور اسباب میں الجھ کر مسبب الاسباب کو نہ بھولنے پائے۔ اشیاء کے ظاہری ارتباط وتعلقات سے جو مطلوبہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ان سے آگے بڑھ کر اس ذات قادر وقیوم کی نظر رحمت کی طرف لو لگائے رکھے جس نے ان اشیاء اور ان کے نتائج کے درمیان ربط پیدا کیا ہے۔

اس مقصود ومفہوم کی طرف خود اسی حدیث میں آگے چل کر اس طرح اشارہ فرما دیا گیا ہے۔

واعلم ان الامة لو اجتمعت علی ان ینفعوک لم ینفعوک الا بشئی قد کتبه الله لک. وان اجتمعت علی ان یضروک بشئی لم یضروک الا بشئی قد کتبه الله علیک.

"اور جان لو کہ سبھی لوگ مل کر تمہیں فائدہ پہنچانا چاہیں تو اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اور اگر سب مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اس کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں خود اپنی مراد واضح کر دی ہے کہ لوگ نفع وضرر پہنچا سکتے ہیں مگر صرف اسی حد تک جس حد تک اللہ نے بندے کے لئے نفع پہنچانا یا نقصان پہنچانا مقدر کر رکھا ہے۔

کتاب وسنت میں جب استعانت بغیر اللہ کا حکم موجود ہے تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاسْتَعِينُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ. (بقرہ۔۱۵۳)

(ترجمہ) ''اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ. (انفعال۔۶۰)

(ترجمہ) ''اور ان کے لئے جتنی قوت ہوسکے تیار کر رکھو۔''

بندۂ صالح ذوالقرنین کی یہ استعانت قرآن میں موجود ہے۔ اعینونی بقوة.

صلوٰۃ خوف کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہے جس میں مخلوق سے مخلوق کی استعانت ہے۔

اسی طرح اہل ایمان کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ. (النساء۔۱۰۲)

''اور چاہیے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کی ضرورت پوری کریں۔ تنگ دستوں کی مدد کریں۔ مصیبت زدوں کی فریاد سن کر ان کی اعانت کریں اور ان کاموں میں غفلت و سستی نہ برتیں۔ اس طرح کی بہت سی احادیث وارد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته. (بخاری ومسلم) جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا۔ اس کی ضرورت اللہ تعالیٰ پوری فرماتا رہے گا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ والله فی عون العبد ماکان العبد فی عون

فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ نعمتیں ان لوگوں کے اندر اس وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ انہیں صرف کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب وہ یہ نعمتیں روک لیتے ہیں تو وہ دوسروں کے حوالہ کر دی جاتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "**لان یمشی احدکم مع اخیہ فی قضاء حاجتہ. واشار باصبعہ. افضل من یعتکف فی مسجدی ھذا شھرین.**" **رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد.**

اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کی راہ میں قدم بڑھانا میری اس مسجد میں دو ماہ کے اعتکاف سے افضل ہے۔**فی قضاء حاجتہ** کہتے ہوئے آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **واذا سالت فاسال اللہ.** اور جب سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو۔

اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ غیر اللہ سے کسی طرح کا سوال یا توسل جائز نہیں' یہ محض ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ انبیاء وصالحین کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانے سے اللہ کی خیر و برکت نازل ہوتی ہے اور انہیں وسیلہ بنانے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ سے خیر و برکت عطا فرمائے یا شر وفساد کو دور رکھے۔ تو متوسل وہ سبب اختیار کرتا ہے جسے اللہ نے بندوں کی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان کے توسط سے اللہ مرادیں پوری فرماتا ہے۔ اس طرح سبب سے یہ اصلاً کوئی سوال نہیں بلکہ خالق اسباب سے سوال ہے۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میری بصارت واپس آجائے یا بلاء مجھ سے دور ہو جائے۔ یا مجھے مرض سے شفاء مل جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے واسطہ سے اللہ

ہی سے مانگ رہا ہے۔ اسی سے سوال کر رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے۔ میرے لئے دعاء کیجئے۔ یا میرے لئے شفاعت کیجئے۔ تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے مقابلہ میں سائل کی مراد زیادہ واضح کر رہا ہے۔ اسی طرح متوسل کا یہ کلام اور زیادہ واضح ہے۔ اے اللہ! تیرے نبی کے صدقہ میں تجھ سے سوال کر رہا ہوں کہ فلاں آسانی پیدا فرما جو میرے لئے نفع بخش ہو۔ یا جس سے میں شر دور کروں۔ اب ان ساری صورتوں میں متوسل وسائل صرف اللہ سے اپنی حاجت کے بارے میں عرض وسوال کر رہا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ واذا سالت فاسئل اللہ سے منع توسل پر استدلال اور غیر اللہ سے سوال کی عدم صحت کا مطلب نکالنا غلط اور بے بنیاد ہے۔

خود اسی حدیث میں اس غلط استدلال کا جواب بھی ہے۔ راوی حدیث ابن عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کا شوق دلاتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کلمات سکھاوں جن کے ذریعہ اللہ تمہیں نفع پہنچائے؟ سوال کے لئے تشویق وترغیب کا اس سے بہتر اسلوب اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس ترغیب سوال پر ابن عباس نے کہا۔ ہاں! مجھے سکھادیں۔ اس سوال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اذا سالت فاسئل اللہ۔

منکرین سوال وتوسل کے وہم وخیال کو بالفرض تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے تو کوئی جاہل کسی عالم سے کسی طرح کا سوال نہیں کر سکتا۔ کسی ہلاکت وبربادی کا شکار کوئی شخص کسی بچانے اور مدد کرنے والے سے سوال نہیں کر سکتا۔ کوئی قرض خواہ کسی قرضدار سے سوال نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی قرض لینے والا کسی سے قرض کا سوال ہی کر سکتا ہے۔ قیامت

کے دن انبیاء سے شفاعت کا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی حضرت عیسیٰ بن مریم کے لئے یہ عمل صحیح ہوگا کہ وہ اہل محشر کو سوال شفاعت کے لئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی چیزوں کا سوال غلط اور ناجائز ہو جائے گا۔

اگر یہ منکرین کہیں کہ سوال سے مراد وہ سوال ہے جو وفات یافتہ انبیاء وصالحین سے ان کی برزخی حالت میں کیا جاتا ہے اور اس حالت میں انہیں کسی چیز کی قدرت نہیں ہوتی۔ اس کا جواب تو دیا جا چکا ہے مگر مختصراً دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے۔

انبیاء وصالحین عالم برزخ میں زندہ ہیں اور انہیں دعاء وشفاعت کی قدرت حاصل ہے۔ اور ان کی برزخی زندگی جو ان کے شان کے لائق ہے اس میں وہ دعاء واستغفار کے ذریعہ دوسروں کو فائدہ بھی پہنچاتے ہیں۔

ان باتوں کا منکر کم از کم جاہل تو ہے ہی۔ کیوں کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ وفات یافتہ اہل برزخ کو علم وسماعت اور قدرت دعاء حاصل ہے۔ اور دیگر تصرفات بھی جتنا اور جو کچھ اللہ چاہے۔ جب عام اہل ایمان کا یہ حال ہے تو انبیاء و صالحین کا کیا عالم ہوگا؟

مشہور حدیث اسراء ومعراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کی امامت فرمائی اور انہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ کے سامنے بیان فرمایا۔ آسمانوں میں آپ کے لئے دعا کی گئی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے مشورہ پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر ہی امت محمدیہ پر پچاس وقت کی بجائے پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔

صراحت ووضاحت سے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کا وہ مطلب نہیں جو منکرین سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ لوگ دوسروں سے بلا ضرورت محض حرص و

طمع میں مال حاصل کرنے سے دور رہیں۔ اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس پر قناعت کریں۔ لوگوں کے سامنے بلاضرورت دست سوال دراز نہ کریں۔ اللہ سے اس کا فضل وعطا چاہیں۔ گریہ وزاری کے ساتھ دعاء کریں۔ اللہ ان کی دعا قبول فرمائے گا۔ لیکن عام طور پر اس معاملہ میں لوگوں کا عمل بالکل برعکس ہے۔ عطاء کی تلاش میں معطی کو اور رزق کی تلاش میں رازق سے غافل رہتے ہیں۔ الله یغضب ان ترکت سؤاله. و بنی آدم حین یسأل یغضب اللہ سے سوال کرنا چھوڑ دیا جائے تو وہ اظہار ناراضگی فرماتا ہے اور اولاد آدم سے سوال کر دیا جائے تو اسے غصہ آ جاتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کے ہاتھ میں مال دیکھ کر تمہارا دل اس پر آ جائے تو اس سے سوال نہ کرو بلکہ اللہ سے اس کے فضل وعطاء کا سوال کرو اور اس بندہ کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ اس طرح حدیث کے اندر قناعت کا درس ہے اور حرص وطمع سے دور رہنے کا سبق ہے۔

صحیح مفہوم حدیث یہی ہے۔ اب بارگاہ الٰہی میں انبیاء واولیاء کا توسل یا ان سے شفاعت کا سوال ایک بالکل الگ چیز ہے اور ان کی شفاعت وتوسل جو کامیابی ومرادرسی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ ان چیزوں کی ممانعت کا اس حدیث سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ لیکن منکرین صرف نفسانیت کی سواری پہ چڑھ کر وساوس واوہام کے میدان کا چکر لگاتے ہیں اور صحیح مفہوم کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

حدیث ''انه لایستغاث بی'' کا صحیح مفہوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق شخص اہل ایمان کی ایذا رسانی میں لگا رہتا تھا۔ ابوبکر صدیق نے لوگوں سے کہا کہ ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق کے خلاف استغاثہ کرنا چاہیے۔ وہ جب نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔

انه لایستغاث بی وانما یستغاث بالله. "رواه الطبرانی فی معجمه الکبیر." مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے استغاثہ صرف اللہ سے کیا جائے۔

اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کے منکرین بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ استدلال بالکل باطل ہے۔ کیوں کہ اگر اس حدیث کا ظاہری معنی لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ سے استغاثہ بالکل ممنوع ہے اور یہ مطلب فعل صحابہ کے معارض ہے۔

صحابہ کرام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرتے تھے۔ آپ سے سیرابی چاہتے تھے آپ سے طلب دعا کرتے تھے۔ اور آپ فرح و سرور کے ساتھ ان کی اس خواہش وطلب کی تکمیل فرمایا کرتے تھے۔

ایسی صورت میں دیگر عام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث کے ظاہری معنی کی مناسب تاویل کرنی ہوگی تاکہ سارے نصوص میں مطابقت اور موافقت ہو سکے۔

اس حدیث سے یہ مراد لینا صحیح ہے کہ اصل اعتقاد میں حقیقت توحید کا اثبات مقصود ہے کہ مغیث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ محض واسطہ بن سکتا ہے۔

یا اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ سے وہی چیز مانگنی چاہیے جو اس کے مقدور میں ہے۔ غیر مقدور عبد کی طلب نہ کی جائے۔ مثلاً جنت کا حصول، جہنم سے نجات، ہدایت و سعادت۔

حدیث میں ایسی کوئی تخصیص نہیں کہ استعانت واستغاثہ زندہ سے کیا جاسکتا ہے وفات یافتہ سے نہیں۔ اور ظاہری معنی کے مطابق غیر اللہ سے استغاثہ ہر وقت ممنوع ہے۔

زندہ ووفات یافتہ کی کوئی تفریق نہیں۔حالانکہ حدیث کا یہ صحیح مفہوم نہیں۔

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کبھی کبھی اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں ایسی عبارت ہوتی ہے جس کا معنی صحیح ہوتا ہے لیکن بعض لوگ اس عبارت سے ایسا مفہوم سمجھ لیتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مراد کے خلاف ہوتا ہے۔ جیسے طبرانی اپنی معجم کبیر میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق شخص اہل ایمان کی ایذا رسانی میں لگا رہتا تھا۔ ابوبکر صدیق نے لوگوں سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس منافق کے خلاف استغاثہ کرنا چاہیے۔ جب ان لوگوں نے آپ کے پاس پہنچ کر عرض حال کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔"انه لا یستغاث بی و انما یستغاث بالله."

تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی ہے کہ ان سے وہ چیز نہ طلب کی جائے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔ ورنہ صحابہ کرام تو آپ سے طلب دعا کرتے تھے۔ آپ کے توسل سے بارش کی دعا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔

بسا اوقات شاعر کا شعر یاد کرتے ہوئے میں روئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتا تھا۔ آپ دعاء استسقاء کرتے رہتے اور اس وقت منبر سے اترتے جب پرنالے بہنے لگتے۔ شعر یہ ہے۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

آپ گورے رنگ والے خوبصورت ہیں۔ آپ کے روئے زیبا کے وسیلہ سے بارش کی دعاء کی جاتی ہے۔ آپ یتیموں کا ٹھکانہ اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں۔

استغاثہ وتوسل کے بعض طریقوں پر اعتراض کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور مدح وستائش میں بعض الفاظ اور طریقوں پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور آگے بڑھ کر اس کے کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

مثلاً کہا جاتا ہے۔ لیس لنا ملاذ سوی النبی صلی اللہ علیہ...... ولا رجاء الاھو...... وانا مستجیر بہ...... ان جملوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملجا وماویٰ اور پناہ گاہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہ شعر بھی ہے۔

والیہ یفزع فی المصائب

وان توقفت فمن اسأل

مشکلات ومصائب میں آپ کی پناہ لی جاتی ہے اور اگر آپ بھی توقف فرمائیں تو کس سے میں کوئی سوال کروں؟

کہنے والوں کا مقصود یہ ہے کہ آپ کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے یہاں ہمارا ٹھکانہ نہیں آپ کے سوا کسی دوسرے انسان سے کوئی امید نہیں۔ مصائب میں دوسرے لوگوں سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ کی طرف نگاہ اٹھتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے دربار میں آپ کی عزت وتکریم ہے۔ اگر آپ نے توقف فرمایا تو پھر کس بندۂ خدا سے اور کس امید پر کوئی سوال کیا جائے؟

دفع ایہام کے لئے اپنی دعاء وتوسل میں اس طرح کے اختلافی الفاظ وتعبیرات سے ہم اجتناب کرتے ہیں۔ لیکن یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے قائلین پر حکم کفر عائد کرنا نہ کوئی پسندیدہ بات ہے نہ اس میں کوئی حکمت ہے۔ کیونکہ وہ موحد ہیں۔ اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ تمام ارکان اسلام کی

تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ کے رب ہونے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور اسلام کے سچے دین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے حرمت اسلام اور ذمۂ اہل دین کے وہ اہل اور مستحق ہیں۔

حضرت انس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صلی صلوتنا و اسلم و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی له ذمة الله و رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته. (رواہ البخاری)

''جو شخص اسلام قبول کر کے نماز پڑھے' استقبال قبلہ کرے' ہمارا ذبیحہ کھائے وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ اس کے ذمہ کے بارے میں اللہ سے کئے ہوئے اپنے عہد کو نہ توڑو۔''

یہیں سے ہمارے اوپر لازم ہو جاتا ہے کہ مومن کے کلام میں جب کسی فعل کی نسبت غیر اللہ کی طرف پائیں تو اسے مجاز عقلی پر محمول کریں اس کی تکفیر کی کہیں سے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ مجاز عقلی کتاب و سنت میں مستعمل ہے۔ اس لیے کسی مؤحد کے کلام میں ایسی نسبت کا پایا جانا اس کے مجاز عقلی ہونے کے لئے کافی ہے۔

اعتقاد صحیح یہ ہے کہ اللہ خالق عباد بھی ہے اور خالق افعال بھی ہے۔ اور کسی زندہ و مردہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ تاثیر صرف اللہ کی ہے۔ اسی اعتقاد کو توحید کہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ جس کا اعتقاد ہے وہ شرک کر رہا ہے۔

کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو کسی فعل یا ترک یا رزق یا زندہ کرنے یا موت دینے میں کسی شخص کو اللہ کا شریک و سہیم سمجھتا ہو۔

جن الفاظ و تعبیرات کو کچھ لوگ موہم شرک سمجھتے ہیں ان کے قائلین کا مقصد بارگاہ الٰہی میں توسل و شفاعت ہے۔ مقصود و منتہا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔

کوئی بھی مسلمان کسی نبی وولی کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا اور جس سے طلب وسوال کررہا ہے اسے یہ نہیں سمجھتا کہ کسی فعل وترک میں دورونزدیک کسی بھی گوشہ سے وہ بذات خود بے عطائے الٰہی کسی چیز پر قادر ہے۔

کسی مسلمان کی خطا یا جہل یا نسیان یا اجتہاد کی وجہ سے اس پر حکم شرک عائد کرنے سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست طلب مغفرت و جنت وشفا اور سوال میں لوگ تعبیر کی غلطی کریں تو اس سے ان کے عقیدۂ توحید پر حرف نہیں آتا' کیونکہ وہ اس طلب شفاعت میں بارگاہ الٰہی تک پہنچنے میں آپ کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اور گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یارسول اللہ! میں اللہ سے دعا کررہا ہوں کہ وہ میری مغفرت فرمائے۔ میرے اوپر رحم فرمائے اور میں اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے اپنی پریشانی کے ازالہ کے لئے اور اپنی مراد تک پہنچنے کے لئے بارگاہ الٰہی میں آپ کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

گزشتہ صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کرتے تھے' استغاثہ کرتے تھے' طلب شفاعت کرتے تھے' فقر و مرض و بلاء وقرض و محتاجی کے مواقع پر آپ سے عرض احوال کیا کرتے تھے۔

ہر مسلمان اس حقیقت سے واقف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب محض اپنی ذات اور اپنی قوت سے بلا مشیت ورضائے الٰہی کے نہیں کرتے۔ نہ اپنے اختیارات و تصرفات میں مستقل بالذات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن وامر اور اس کی قدرت سے یہ سب کرتے ہیں۔ آپ عبد مامور ہیں اور اللہ کے نزدیک آپ کو مقام اور جاہ وعزت حاصل ہے۔ جس سے آپ پر ایمان لانے والے آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور آپ کی فضیلت وکرامت کا اعتقاد رکھنے والے فیض پاتے رہتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ اس

کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اختیار وتصرف میں جو شخص آپ کو مستقل بالذات سمجھے وہ ارتکاب شرک کر رہا ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقعہ بہ موقعہ تنبیہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ جب بطریق وحی یا حالات کے تیور سے آپ پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سائل یا سامع کے اعتقاد میں کچھ نقص وفتور ہے تو فوراً اصلاح وہدایت فرماتے۔

کبھی آپ فرماتے کہ میں سید اولاد آدم ہوں۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ سید تو اللہ ہی ہے۔

کبھی لوگ آپ سے استغاثہ کرتے اور آپ انہیں تعلیم دیتے کہ مجھے وسیلہ بنایا جائے۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ استغاثہ صرف اللہ سے کیا جائے مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے۔

کبھی لوگ آپ سے سوال واستغاثہ کرتے تو آپ ان کی طلب پوری فرماتے۔

بلکہ کبھی کبھی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اختیار کرنے کی آزادی عطا فرماتے کہ صبر کرو تمہیں جنت ملے گی یا ابھی تمہاری پریشانی دور کر دی جائے۔ جیسے نابینا صحابی اور حضرت قتادہ، جن کی آنکھ چلی گئی تھی انہیں اختیار دیا تھا۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو اور استعانت بھی اللہ ہی سے کرو۔

کبھی آپ فرماتے کہ جو شخص کسی مومن کی پریشانی دور کرے۔ الخ۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ بھلائی تو اللہ ہی دیتا ہے۔

ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ ہم اہل سنت کا عقیدہ بحمد اللہ نہایت صاف ستھرا ہے کہ بندہ خود سے کچھ نہیں کر سکتا' خواہ وہ کتنا ہی بڑے رتبہ اور درجہ والا ہو۔

افضل الخلق صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ سبحنہ وتعالیٰ کی توفیق وتائید ہی سے عطاء ومنع' نفع وضرر' اور امداد واعانت فرماتے ہیں۔ آپ سے جب استغاثہ یا استعانت یا طلب کی

صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اوران کی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لیے پڑھیں اورستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اورستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے۔

یعنی ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا نکلا فرمایا' حدیث صحاح ہے:

من قال لا اله الا الله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفر الله لذلک للميت وانكان موجبا للعقوبة.

یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اوراس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے' اگر وہ عقوبت کا مستحق ہو۔

اسی میں ہے "فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار یہ کلمہ ضرور پڑھیں اوراس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں۔"

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے "بعداس کے فرمایا" کہ دعا گو نے واسطے برادرم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہا' میرا ایک یار ہے اوچھ سے برابر آتا ہے' مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اوراد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا ہے۔ اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن و فراخ کر دیا۔"

اسی کے جلد ۲' ص ۷۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے:

قوله عليه الصلاة والسلام من قال لا اله الا الله مائة الف مَرَّةٍ وجعل الثواب للميت غفر له وان كان موجبا للعقوبة.

"یعنی جو کوئی لا الہ الا اللہ کو سو ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے' اوراس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشی جائے' اگرچہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو۔"

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو تسبیح ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں' سو آدمیوں کو دیتے ہیں' وہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں' ذرا دیر میں

تمام ہو جاتا ہے' دعا گو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے' اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا' مجرب ہے' انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

بانی مدرسہ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔ اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس' ص ۳۸ میں لکھتے ہیں:

''حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا' آپ نے سبب پوچھا؟ تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا' یوں سمجھ کر کہ بعض رواتیوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے' اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی' مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے' آپ نے پھر سبب پوچھا؟ اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں' سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جواب کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث معلوم سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علماء کی تحریر مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لیے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لا الہ الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تا کہ من قیل لہ کے تحت اس کی مغفرت ہو اور از انجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لیے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہوگی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔ اس لیے آسانی کے خیال سے چنا کا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقراء پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا ثواب بھی میت کو ثواب پہنچے۔

عقیدہ رکھنا کسی طرح نہ کفر ہے نہ شرک ہے۔

ہم پھر اپنی یہ بات دہرا دیتے ہیں کہ کسی وفات یافتہ کے بارے میں زندوں سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھنا نا قابل فہم ہے کہ زندوں کیلئے جو افعال ثابت ہیں وہ تو بطور سببیت کے ہیں اور وفات یافتہ کے افعال میں تاثیر ذاتی و ایجاد حقیقی کا عقیدہ کوئی رکھنے لگے۔ یہ بات بالکل نا قابل فہم ہے۔

منکرین و مانعین کے عقیدہ کے مطابق بطور تنزل زیادہ سے زیادہ یہی تو کہا جا سکتا ہے کہ میت سے استغاثہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی معذور اپاہج سے کوئی شخص مدد مانگنے لگے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ جس سے وہ مدد مانگ رہا ہے وہ معذور داپاہج ہے۔ مگر اسے شرک کیسے کہا جا سکتا ہے؟

سببیت 'وفات یافتہ کے مقدور میں ہے۔ اور اس کے امکان میں یہ بھی ہے کہ ہمارے لئے دعاء کر کے زندوں کی طرح اس کا اکتساب کرے۔ کیوں کہ روحیں اپنے اعزہ وا قارب کے لئے دعا کرتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔ جب زندوں کی ایسی باتیں مرحومین تک پہنچتی ہیں جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں تو وہ دعاء کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان پر نظر رحمت فرما کر انہیں اس سے روک دے۔ یا۔ انہیں موت نہ دے جب تک کہ انہیں ہدایت نہ دے دے۔

روحیں زندوں کی طرح بذریعۂ دعا ہماری مدد کر سکتی ہیں۔ اور فرشتوں کی طرح دوسروں کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے خواب میں روحوں کے ذریعہ فوائد و منافع حاصل کیے ہیں۔

توسل

محسن اہلسنّت، عالم باعمل

حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

توسل

لغت میں کسی شے کو مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا توسل کہلاتا ہے۔ شرعی طور پر ایسی چیز کو دُعا کی قبولیت کا ذریعہ بنانا توسل ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر و منزلت رکھتی ہے، بارگاہِ الٰہی میں اعمال صالحہ اور ذوات صالحہ دونوں ہی مقبول اور محبوب ہیں لہذا دونوں کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

ضیاء مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما سے ایک شخص نے پوچھا ''توسل کے جواز پر کیا دلیل ہے؟'' انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یَاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُوۡا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ''[1]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو''

اس شخص نے کہا کہ ''اس آیت میں تو وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ ہیں''

حضرت نے فرمایا: ہمارے اعمال مقبول ہیں یا مردود؟ اس نے کہا: ''مجھے کیا معلوم؟'' حضرت نے فرمایا: ''حضور سید عالم ﷺ بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہیں یا نہیں؟'' اس نے کہا ''یقیناً مقبول ہیں'' آپ نے فرمایا: ''جب اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے، جن کی قبولیت مشکوک ہے، تو حضور اکرم ﷺ کو وسیلہ کیوں نہیں بنایا جا سکتا جو یقیناً مقبول ہیں''

---

[1] القرآن: ۵/۳۵

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اعمال اور ذوات کو وسیلہ بنانا

ترمذی شریف میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ أَمَانَيْنِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" [1]

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دو تحفظ نازل فرمائے ہیں:

۱۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک اے حبیب! آپ ان میں موجود ہیں)

۲۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے والا نہیں جب تک وہ استغفار کرتے ہیں۔)

اس آیت کے پہلے حصے میں عذاب سے محفوظ رہنے کا وسیلہ نبی اکرم ﷺ کی ذات کو اور دوسرے حصے میں عمل استغفار کو قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْأَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ" (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

بہت پراگندہ بالوں والے جنہیں دروازوں سے واپس کر دیا جاتا ہے، اگر قسم دے کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرمادے گا!

(مسلم شریف)

حضرت مصعب ابن سعد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: ترمذی شریف، ابواب التفسیر، ص ۴۳۹

[2] شیخ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ: مشکوٰۃ شریف (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۴۴۶

"هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرزَقُوْنَ اِلاَّ بِضُعَفَائِكُمْ"[1] (رواه البخاری)

تمہیں رزق اور فتح ونصرت صرف تمہارے ضعیف افراد کی بنا پر دی جاتی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''ابدال شام میں ہوں گے' وہ چالیس مرد ہوں گے' جب ان میں سے ایک فوت ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مقرر فرما دے گا۔''

"يُسْقِىٰ بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَاءِ وَيَصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الْشَامِ بِهِمُ الْعَذَابُ"

''ان کی برکت سے بارش دی جائے گی' ان کے وسیلے سے دشمنوں پر مدد حاصل کی جائے گی اور ان کی بدولت اہل شام سے عذاب دفع کیا جائے گا۔''[2]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور سید عالم رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اِبْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَائِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ"

(رواہ ابو داؤد)[3]

''تم اپنے ضعیفوں میں میری رضا طلب کرو' کیونکہ تمہیں ضعیفوں کی بدولت ہی رزق دیا جاتا ہے' یا فرمایا کہ تمہیں امداد دی جاتی ہے۔''

ایک تو وہ ضعیف ہیں جو ناداری کا شکار ہیں' دوسرے وہ جو عبادت و ریاضت کی

---

[1] شیخ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ: مشکوٰۃ شریف (ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی) ص ۴۴۶

[2] ایضاً: " " " ص ۳-۵۸۲

[3] شیخ ولی الدین ابوعبداللہ بن عبداللہ: مشکوٰۃ شریف (باب فضل الفقراء) ص ۴۴۷ وعد کمی سکا

کثرت کی وجہ سے لاغر ونزار ہیں' دوسری قسم کے لوگ (اولیاء کرام) وسیلۂ نصرت ورحمت بننے کے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت امیہ بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے راوی ہیں:

"اِنَّهٗ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ" (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ) ۱

''نبی اکرم ﷺ فقراء مہاجرین کے وسیلے سے فتح ونصرت کی دعا مانگا کرتے تھے۔''

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

''ابن الملک فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ اس طرح دعا مانگتے تھے: اے اللہ اپنے فقیر اور مہاجر بندوں کے طفیل ہمیں دشمنوں کے خلاف مدد عطا فرما۔'' ۲

حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی ہیں' فقراء مہاجرین کا وسیلہ پیش کرنے کا باعث ہرگز یہ نہیں کہ آپ وسیلے کے محتاج ہیں بلکہ شکستہ خاطر اور ستم رسیدہ صحابۂ مہاجرین کی عزت افزائی ہے اور امت مسلمہ کو یہ بتانا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرتے وقت میرے غلاموں کا وسیلہ بھی پیش کر سکتے ہو' سبحان اللہ! جس ذاتِ اقدس کے غلاموں سے توسل کیا جاسکتا ہے خود اس ذات مکرم سے توسل کیوں جائز نہ ہوگا؟ اس گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ بارگاہِ الٰہی میں صرف اعمالِ صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ مقبول بارگاہ صالحین کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے۔

سید عالم محبوب رب العالمین ﷺ سے توسل

حضور نبی اکرم ﷺ سے توسل آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے' ولادت

---

۱ شیخ ولی الدین ابوعبداللہ بن عبداللہ: مشکوٰۃ شریف (باب فضل الفقراء) ص ۴۴۷

۲ علی بن سلطان محمد القاری: مرقاۃ المفاتیح (مکتبہ امدادیہ ملتان) ۱۰/۱۳

سند صحیح ہے۔"[1]

اہل کتاب حضور سید عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلے سے فتح وظفر کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور اپنی مرادیں پاتے تھے۔

ابن قیم لکھتے ہیں (م ۷۶۱ھ):

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: کہ خیبر کے یہودی قبیلۂ غطفان کے ساتھ حالت جنگ میں رہتے تھے' ایک مقابلے میں یہودی شکست کھا گئے تو انہوں نے یہ دعا مانگی: "اے اللہ! ہم تجھ سے نبی امی محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل دُعا مانگتے ہیں جنہیں تو نے آخری زمانے میں ہمارے پاس بھیجنے کا وعدہ کیا تھا' تو غطفان کے خلاف ہماری مدد فرما' وہ ہمیشہ مقابلے کے وقت یہ دُعا مانگتے تھے' چنانچہ انہوں نے غطفان کو شکست دے دی' جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا" یہودی اس سے پہلے کافروں کے خلاف فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے' یعنی اے محمد! ﷺ آپ کے وسیلے سے۔[2]

حیات ظاہرہ میں توسل

امام طبرانی معجم کبیر اور معجم اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں: کہ حضرت علی مرتضٰی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال پر حضور سید عالم ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زید' حضرت ابوایوب انصاری رضی

---

[1] حاکم نیشاپوری: المستدرک' کتاب التاریخ (دار الفکر' بیروت) ۶۱۵/۲

[2] محمد بن ابوبکر بن قیم الجوزیہ: ہدایۃ الحیاریٰ فی اجوبۃ الیہود والنصاریٰ (الجامع الفرید) ص ۴۹۳

مبارکہ کے بعد' حیات طیبہ ظاہرہ میں' وصال کے بعد عالم برزخ کی مدت میں اور میدان قیامت میں جائز اور واقع ہے۔[1]

ابن قیم کہتے ہیں:

"دنیا و آخرت میں سعادت و فلاح رسولانِ گرامی کے ہاتھوں ہی مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ان ہی کی بدولت میسر آ سکتی ہے۔"[2]

ولادت باسعادت سے پہلے توسل

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی' تو انہوں نے دعا مانگی: یَارَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا غَفَرْتَ لِیْ. اے میرے رب میں تجھ سے مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے دُعا مانگتا ہوں کہ میری مغفرت فرما' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَاٰادَمُ وَکَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ اے آدم! تم نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے انہیں ابھی (وجود عنصری کے ساتھ) پیدا بھی نہیں کیا' عرض کیا اے میرے رب!

جب تو نے میرا جسم اپنے دست قدرت سے بنایا اور میرے اندر روح خاص پھونکی' تو میں نے سر اٹھایا' کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پایوں پر۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے' پس میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اس ہستی کا نام لکھا ہوا ہے جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا وہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں' تم مجھ سے ان کے وسیلے سے دعا مانگو' میں نے تمہاری مغفرت فرما دی' اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے' تو میں تمہیں پیدا نہ فرماتا' اس حدیث کی

---

[1] الشیخ حسن العدوی الحمزاوی: مشارق الانوار فی فوز اہل الاعتبار (المطبعۃ الشرفیہ' مصر) ص ۵۹

[2] ابن القیم الجوزیہ: زاد المعاد ۱/۲۸

اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک سیاہ فام غلام کو قبر کھودنے کا حکم دیا جب لحد تک پہنچے تو حضور انور ﷺ نے بنفس نفیس لحد کھودی اور اپنے ہاتھوں سے مٹی نکالی، جب فارغ ہوئے تو اس قبر میں لیٹ گئے، پھر یہ دعا مانگی:

''اللہ تعالیٰ زندگی اور موت دیتا ہے، وہ زندہ ہے، اس کے لیے موت نہیں، میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے نبیوں کے طفیل اس کی قبر کو وسیع فرما، بیشک تو سب سے بڑا رحم والا ہے''

اس حدیث سے نبی اکرم ﷺ کی حیات میں اور دیگر انبیاء کے وصال کے بعد بارگاہ الٰہی میں وسیلہ پیش کرنا ثابت ہوتا ہے[1]

علامہ نورالدین سمہودی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ سے توسل کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ ایک چیز آپ سے طلب کی جاتی ہے، مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ بارگاہ الٰہی میں دُعا اور شفاعت کے ذریعے سبب بننے پر قادر ہیں، اس کا مآل یہ ہوگا کہ آپ سے دعا کی درخواست ہے، اگرچہ الفاظ مختلف ہیں، اسی قسم سے صحابی (حضرت ربیعہ) کی درخواست ہے: ''اَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ'' (الحدیث)

''میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کی درخواست کرتا ہوں، اس کا مقصد یہی ہے کہ آپ اس مقصد کے لیے سبب اور سفارش بنیں۔''[2]

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں:

---

[1] نورالدین علی بن احمد السمہودی: وفاالوفا (داراحیاء التراث العربی، بیروت) ۸۹۹/۳

[2] ایضاً: " " " ۱۳۷۴/۵/۴

وَاِنَّکَ اَدْنَی الْمُرْسَلِیْنَ وَسِیْلَۃً

اِلَی اللّٰہِ یَا ابْنَ الْاَکْرَمِیْنَ الْاَطَایِبِ

وَکُنْ لِیْ شَفِیْعًا یَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَۃٍ

بِمُغْنٍ فَتِیْلًا عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ

''طیب ومکرم حضرات کے فرزند! آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام رسولوں سے زیادہ قریب وسیلہ ہیں۔

آپ اس دن میرے شفیع ہوں گے جس دن کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کو کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکے گا۔[1]

حضور اکرم ﷺ طائف سے واپسی پر جعرانہ تشریف فرما ہوئے' اُس وقت قبیلۂ ہوازن کے بچوں اور عورتوں میں سے چھ ہزار قیدی آپ کے ہمراہ تھے' اونٹوں اور بکریوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا' ہوازن کا ایک وفد مشرف بہ اسلام ہو کر حاضرِ بارگاہ ہوا' انہوں نے درخواست کی کہ ہم پر احسان فرمائیں' آپ نے فرمایا: قیدیوں اور اموال میں سے ایک چیز پسند کر لو انہوں نے عرض کیا: ہمیں قیدی محبوب ہیں' آپ نے فرمایا: جو قیدی میرے ہیں یا بنو عبدالمطلب کے ہیں' وہ تمہارے ہیں' باقی جو تقسیم ہو چکے ہیں' ان کے لیے یہ طریقہ اختیار کرو:

''اِذَا مَا اَنَا صَلَّیْتُ الظُّھْرَ بِالنَّاسِ فَقُوْمُوْا فَقُوْلُوْا اِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ (ﷺ) اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ وَ بِالْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (ﷺ) فِیْ اَبْنَائِنَا وَنِسَائِنَا فَسَاُعْطِیْکُمْ عِنْدَ ذٰلِکَ وَاَسْاَلُ لَکُمْ''[2]

---

[1] عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی: مختصر سیرۃ الرسول (لاہور) ص ٦٩

[2] عبدالملک بن ہشام (م ٢١٣ھ): السیرۃ النبویہ (مع الروض الانف) مکتبہ فاروقیہ' ملتان) ٢/٣٠٦)

''جب میں لوگوں کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم کھڑے ہو کر کہنا: ہم رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے ہماری شفاعت (سفارش) فرمائیں اور مسلمان ہماری شفاعت رسول اللہ ﷺ سے کریں، ہمارے بیٹوں اور عورتوں کے حق میں، تو میں تمہیں اس وقت عطا کردوں گا اور تمہاری سفارش کروں گا۔''

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اکثر صحابہ نے عرض کیا جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ حضور کا ہے، باقی صحابہ سے آپ نے وعدہ فرمایا کہ ہر قیدی کے بدلے، پہلے مال غنیمت سے چھ اونٹنیاں دی جائیں گی، اس طرح ہوزن کو تمام قیدی واپس مل گئے۔

اسی موقع پر حضرت زہیر بن صُرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) نے عرض کیا:

اُمْنُنْ عَلَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْ کَرَمٍ   فَاِنَّکَ الْمَرْءُ نَرْجُوْہُ وَنَنْتَظِرُ[1]

''یارسول اللہ! ہم پر احسان اور کرم فرمائیں، آپ وہ انسان ہیں، جن کے احسان کی ہم توقع رکھتے ہیں اور منتظر ہیں۔''

قبیلہ بنو بکر اور خزاعہ کی جنگ اسلام سے پہلے چلی آرہی تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر بنو بکر، قریش کے حلیف بن گئے اور خزاعہ نبی اکرم ﷺ کے، بعد ازاں بنو بکر نے صلح کا یہ موقع غنیمت جانا اور قریش کی مدد سے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار کی، عمر بن سالم خزاعی چالیس افراد کو ساتھ لے کر نبی اکرم ﷺ سے امداد حاصل کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔

امام طبرانی معجم صغیر میں راوی ہیں کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے وضو خانے میں تین مرتبہ لَبَّیْکَ کہی اور تین مرتبہ

---

[1] عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی: الروض الانف (مکتبہ فاروقیہ ملتان) ۲/۳۰۶

امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ ابھی ہم وہیں بیٹھے ہوئے تھے' زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ صاحب تشریف لائے' ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی' یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہو گئے' تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی' رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بارش کی دعا کی' تھوڑی دیر گزری تھی کہ زوردار بارش شروع ہو گئی' مدینہ منورہ کے آس پاس کے لوگوں نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ ہم تو ڈوب جائیں گے' آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر نہ ہو' چنانچہ بادل آس پاس سے اس طرح ہٹ گیا جیسے تاج ہو' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ اَدْرَکَ اَبُوْطَالِبٍ ھٰذَا الْیَوْمَ لَسَرَّہٗ فَقَالَ لَہٗ بَعْضُ اَصْحَابِہٖ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَرَدْتَ قَوْلَہٗ"

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ فَقَالَ اَجَلْ! [1]

"اگر ابوطالب اس دن کو پاتے' تو انہیں خوشی ہوتی' ایک صحابی نے عرض کیا حضور! آپ کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے:

گورے رنگ والے جن کے چہرے کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے

یتیموں اور ناداروں کے ملجا و ماویٰ!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!"

وصال کے بعد توسل

ا۔ امام قسطلانی' ابن منیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

[1] ابن ہشام: السیرۃ النبویہ (مع الروض الانف) ۱۷۹/۱

حضور سید عالم ﷺ کے وصال کی اطلاع ملی، تو روتے ہوئے حاضر ہوئے اور چہرۂ انور سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے:

"وَلَوْ اَنَّ مَوْتَکَ کَانَ اِخْتِیَارَ الْجُدْنَا لِمَوْتِکَ بِالنُّفُوْسِ اُذْکُرْنَا یَامُحَمَّدُ عِنْدَ رَبِّکَ وَلْنَکُنْ مِنْ بَالِکَ"۔[1]

"اگر آپ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ کے وصال کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیتے، حضور! اپنے رب کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ہمارا خیال ضرور رکھنا۔"

۲۔ ایک صاحب کسی مقصد کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، لیکن کامیابی نہ ہوئی، انہوں نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا: وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد یہ دعا مانگو:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ" (الخ)

انہوں نے یہ عمل کیا، تو نہ صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کی حاجت پوری کر دی بلکہ فرمایا: جب کوئی کام ہو تو میرے پاس آ جانا، یہ صاحب واپسی پر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور شکریہ ادا کیا کہ آپ کی سفارش سے میرا کام ہوگیا، انہوں نے فرمایا: میں نے سفارش بالکل نہیں کی، میں نے تمہیں وہ عمل بتایا تھا جو حضور نبی کریم ﷺ نے نابینا صحابی کو تعلیم فرمایا تھا۔ (ملخصاً)[2]

۳۔ حضرت مالک الدار (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خازن) راوی ہیں: کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں قحط واقع ہوگیا، ایک صاحب (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابی) حضور سرور عالم ﷺ کے مزار انور پر حاضر ہوئے اور

---

[1] احمد بن محمد قسطلانی، امام: (م ۹۲۳ھ) مواہب للدنیہ (مع شرح الزرقانی) ۸/۳۲۲

[2] طبرانی، امام: المعجم الصغیر، ص ۱۰۳

عرض کی:

"یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْھَلَکُوْا"

"یارسول اللہ! اپنی امتؐ کے لیے بارش کی دعا فرمائیے کیونکہ وہ لوگ ہلاک ہوئے جارہے ہیں۔"

"خواب میں نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کے لیے بارش کی دعا کریں، انہیں بارش دی جائے گی اور انہیں کہو کہ احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو، وہ صاحب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا، حضرت عمر رودیئے اور کہا یا اللہ! میں اپنی بساط بھر کوتاہی نہیں کرتا۔"[1]

۴۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت ۱۸ھ میں پھر قحط واقع ہوا، جسے عام الرمادہ کہتے ہیں، حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی قوم بنو مزینہ نے کہا ہم مرے جارہے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجئے، فرمایا: بکریوں میں کچھ نہیں رہا، اصرار بڑھا تو انہوں نے بکری ذبح کی، جب اس کی کھال اتاری تو نیچے سے سرخ ہڈی نکلی یہ دیکھ کر حضرت بلال مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فریاد کی اور پکارا:

"یا محمداہ" رات ہوئی تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں فرمارہے ہیں کہ تمہیں زندگی مبارک ہو۔"[2]

۵۔ جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مقابلہ بہت شدید تھا، ایک وقت نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان مجاہدین کے

---

[1] ابن عبدالبر النمری القرطبی: الاستیعاب (دار صادر بیروت) ۲/۴۶۴

[2] حافظ ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ (مکتبۃ المعارف بیروت) ۷/۹۱

پاؤں اکھڑنے لگے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپہ سالار تھے' انہوں نے یہ حالت دیکھی:

''نَادٰی بِشِعَارِ الْمُسْلِمِیْنَ وَکَانَ شِعَارُھُمْ یَوْمَئِذٍ یَا مُحَمَّدَاہُ'' [1]

''تو انہوں نے مسلمانوں کی علامت کے ساتھ ندا کی' اس دن مسلمانوں کی علامت تھی'' ''یا محمداہ''!

۶۔ حضرت ابوعبیدہ ابن عامر الجراح نے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہزار افراد کے ہمراہ حلب کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا' جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو یوقنا پانچ ہزار افراد کے ساتھ حملہ آور ہوا' مسلمان جم کر لڑنے لگے' اتنے میں پیچھے چھپے ہوئے پانچ ہزار افراد کے لشکر نے حملہ کر دیا' اس خطرناک صورت حال نے مسلمانوں کو بے حد پریشان کر دیا' حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا تھامے ہوئے بلند آواز سے پکارا:

''یَا مُحَمَّد! یَا مُحَمَّد! یَا نَصْرَ اللّٰہِ اِنْزِلْ'' [2]

''یا محمد ﷺ' یا محمد ﷺ! اے اللہ کی امداد' نزول فرما۔''

مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور کمال ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔

۷۔ فتح بہنسا کے موقع پر ایک دفعہ جب رات بھر جنگ ہوتی رہی اس وقت مسلمانوں کا شعار (علامتی نشان) تھا:

''یَا مُحَمَّد! یَا مُحَمَّد! یَا نَصْرَ اللّٰہِ اِنْزِلْ''

۸۔ ابوالجوزاء حضرت اوس بن عبداللہ فرماتے ہیں ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا' اہل

---

[1] حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ (مکتبۃ المعارف' بیروت) ۳۲۴/۶

[2] محمد بن عمر الواقدی: فتوح الشام (مصطفیٰ البابی' مصر ۱۹۳۴ء) ۱۹۶/۱

مدینہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی' آپ نے فرمایا:

''نبی اکرم ﷺ کے مزار مبارک کو دیکھو اور آسمان کی طرف اس کا روشن دان کھول دو' تاکہ اس کے اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے' انہوں نے ایسا ہی کیا تو اتنی بارش ہوئی کہ سبزہ اگا' اونٹ موٹے ہو گئے اور چربی کی زیادتی کی وجہ سے ان کے جسم پھٹ گئے' چنانچہ اس سال کا نام ہی عام الفتق رکھ دیا گیا۔''[1]

۹۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں مبارک سو گیا۔

''فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ : اُذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ ! صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَكَاَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عِقَالٍ''[2]

''ایک شخص نے انہیں کہا: اس ہستی کو یاد کرو' جو تمہیں تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو' انہوں نے کہا: ''یا محمد ﷺ! وہ اسی وقت بھلے چنگے ہو گئے' گویا وہ قید سے آزاد کر دیے گئے ہوں۔''

۱۰۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص کا پاؤں سو گیا' تو آپ نے اسے فرمایا: ''اس ہستی کو یاد کرو جو تمہیں سب انسانوں سے زیادہ محبوب ہیں' اس نے کہا: یا محمد ﷺ! اس کا پاؤں صحیح ہو گیا۔''[3]

۱۱۔ ہیثم بن عدی کہتے ہیں: کہ بنو عامر نے بصرہ میں اپنے جانور کھیتی میں چرائے' انہیں طلب کرنے کے لیے حضرت موسیٰ اشعری (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے

---

[1] عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (م ۲۵۵ھ): سنن دارمی (دار المحاسن' مصر) ۱/۴۳

[2] ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی' امام: الاذکار (مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۲۷۱

[3] ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی' امام: الاذکار (مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۲۷۱

بھیجے گئے) بنو عامر نے بلند آواز سے اپنی قوم آل عامر کو بلایا تو حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) اپنے رشتہ داروں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے' انہیں حضرت ابوموسیٰ کے پاس لایا گیا' آپ نے پوچھا: آپ کیوں نکلے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اپنی قوم کی پکار سنی تھی' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تازیانے لگائے' اس پر حضرت نابغہ (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"فَاِنْ تَکُ لِابْنِ عَفَّانَ اَمِیْنَا فَلَمْ یَبْعَثْ بِکَ الْبَرُّ الْاَمِیْنَا

وَیَا قَبْرَ النَّبِیِّ وَ صَاحِبَیْہِ اَلَایَا غَوْثَنَا لَوْ تَسْمَعُوْنَا"[1]

"اگر تو ابن عفان کا امین ہے' تو انہوں نے تجھے احسان کرنے والا امین بنا کر نہیں بھیجا۔"

اے نبی اور آپ کے دو صاحبوں کی قبر! اے ہمارے فریاد رس! کاش آپ ہماری فریاد سن لیں!

۱۲۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حراست میں میدان جنگ سے گزریں' تو بے ساختہ فریاد کی:

"اے بہت ہی تعریف کیے ہوئے! امداد' امداد' اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اور آسمانی فرشتے درود بھیجیں' یہ حسین میدان میں ہیں' خون میں نہائے ہوئے' اعضاء کٹے ہوئے' یا محمد ﷺ! امداد' آپ کی بیٹیاں حراست میں ہیں' آپ کی اولاد شہید کر دی گئی' باد صبا ان پر مٹی اڑا رہی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ ان کی پر سوز فریاد نے ہر اپنے اور بیگانے کو رلا دیا۔[2]

---

[1] ابن عبدالبر النمری القرطبی: الاستیعاب (دار صادر' بیروت) ۵۸۶/۳

[2] حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ (مکتبۃ المعارف' بیروت) ۱۹۳/۸

امت مسلمہ......اور توسل

اجماع صحابہ

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارش کی دعا اس طرح مانگا کرتے تھے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہو جاتے تو حضرت عمر فاروق حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے اور عرض کرتے:

''بارالٰہا! ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کے محترم چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں' تو ہمیں سیراب فرما۔''

یوں دعا مانگتے ہی انہیں بارش عطا کر دی جاتی۔[1]

ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ پیش کیا' اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد توسل جائز نہیں' یہ کھلا ہوا مغالطہ ہے۔

1۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بارگاہ الٰہی میں صرف اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا ہی جائز نہیں بلکہ ذوات صالحین کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے' اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے' کیونکہ یہ دعا صحابۂ کرام کے اجتماع میں مانگی گئی اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا جبکہ تمہیں اس سے انکار ہے۔

2۔ اگرچہ حضرت عباس وہ برگزیدہ ہستی ہیں کہ خود ان کا وسیلہ بھی پیش کیا جا سکتا تھا' لیکن حضرت عمر فاروق نے یوں عرض کیا کہ یا اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش

---

[1] محمد بن اسمٰعیل البخاری' امام: صحیح البخاری (نور محمد' کراچی) ۱۳۷/۱

کرتے ہیں، تو دراصل یہ حضور اکرم ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔

علامہ بدرالدین عینی کی نقل کردہ روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگی پھر حضرت عباس نے جو ان کے ساتھ منبر پر تشریف فرما تھے، ان الفاظ میں دعا کی:

''اے اللہ! بلا گناہوں کے سبب ہی نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی سے دور ہوتی ہے، یہ لوگ میرے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوئے ہیں کہ میرا تعلق تیرے نبی سے ہے۔''[1]

حافظ ابن عبدالبر، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''ہمیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایات پہنچی ہیں کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ استسقا کے لیے نکلے اور دعا کی اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلے سے تیرا قرب چاہتے ہیں، ان کو شفیع بناتے ہیں، پس تو ان میں اپنے نبی ﷺ کی رعایت فرما جیسے تو نے دو بچوں کی ان کے باپ کی نیکی کے طفیل حفاظت فرمائی (کہ ان کی گرتی دیوار سیدھی کر دی)[2]

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا کرنا دراصل نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہی سے توسل ہے۔

3۔ بارگاہ خداوندی میں حضور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا تو مسلم تھا ہی، حضرت فاروق اعظم نے حضرت عباس کا وسیلہ پیش کر کے بتلا دیا کہ توسل حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ آپ کے قرابت دار اور اہل صلاح امتیوں کا وسیلہ بھی

---

1 بدرالدین محمود عینی، علامہ: عمدۃ القاری (محمد امین دمج، بیروت) ۳۲/۷

2 ابن عبدالبر النمری القرطبی: الاستیعاب (دار صادر، بیروت) ۹۹/۳

پیش کیا جاسکتا ہے‘ تا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے‘ امتی کو وسیلہ نہیں بنا سکتے۔

حضرت سلیم بن عامر خبائری راوی ہیں:

’’بارش نہیں ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل دمشق بارش کی دعا کے لیے باہر نکلے‘ جب حضرت امیر معاویہ منبر پر بیٹھے‘ تو فرمایا: یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں بلایا‘ تو وہ پھلانگتے ہوئے تشریف لائے‘ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر وہ منبر پر چڑھے اور ان کے قدموں میں بیٹھ گئے‘ حضرت امیر معاویہ نے دعا مانگی: اے اللہ! آج ہم بہتر اور افضل شخصیت کی سفارش پیش کرتے ہیں‘ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں یزید بن الاسود الجرشی کی سفارش پیش کرتے ہیں۔‘‘

یزید! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاؤ‘ انہوں نے ہاتھ اٹھائے‘ لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے (اور دعا کی) اچانک مغرب کی طرف سے ایک بادل اٹھا‘ ہوا چلنے لگی اور زوردار بارش شروع ہوگئی‘ یہاں تک کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہوگیا۔‘‘[1]

اس اجتماع میں صحابہ کرام بھی موجود ہیں‘ تابعین بھی حاضر ہیں‘ ان میں سے کسی نے ایک مرد صالح کے وسیلے سے دعا مانگنے پر اعتراض نہیں کیا‘ یہ بھی ان حضرات کا جواز توسل پر اجماع ہے۔

توسل......اور ائمہ اربعہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں:

---

[1] ابن سعد (م ۲۳۰ھ) الطبقات (دار صادر بیروت) ۷/ ۴۴۴

يا مالكي كن شافعي في فاقتي إني فقير في الورى لغناك

يا أكرم الثقلين يا كنز الورى جدلي بجودك و لرضني برضاك

أنا طامع بالجود منك ولم يكن لأبي حنيفة في الأنام سواك ۱

''اے میرے مالک! آپ میری حاجت میں شفیع ہوں' میں تمام مخلوق میں آپ کے غنا کا فقیر ہوں۔''

''اے جن وانس سے زیادہ کریم! اے مخلوق کے خزانے! مجھ پر احسان فرمائیں اور اپنی رضا سے مجھے راضی فرمادیں۔''

''میں آپ کی بخشش کا امیدوار ہوں' اور آپ کے سوا مخلوق میں ابوحنیفہ کا کوئی نہیں۔''

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں' منصور (بنو عباس کے خلیفہ ثانی) نے حضور اکرم ﷺ کے مزار انور کی زیارت کے لیے حاضری دی' تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: ''اے ابوعبداللہ! میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ کی طرف رخ کروں؟'' امام مالک نے فرمایا:

''تم اپنا چہرہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کیوں پھیرتے ہو؟ حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرا اور تیرے جد امجد سیدنا آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں' بلکہ آپ کی طرف رخ کر' آپ سے شفاعت کی درخواست کر' اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔'' ۲

تعجب ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگوں کو کعبہ شریف کی طرف پاؤں پھیلا کر سوتے ہوئے دیکھا گیا ہے' انہیں کوئی منع نہیں کرتا' لیکن بارگاہ رسالت میں

---

۱ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' امام: قصیدۂ نعمانیہ (مع الخیرات الحسان) مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد' ص ۲۰۰

۲ قاضی عیاض مالکی' امام: الشفاء (فاروقی کتب خانہ' ملتان) ۲/۳۳

صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والوں کو باصرار کہا جاتا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگو اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم کی طرف پشت کرلو۔ فیاللعجب! وإلی اللہ المشتکی.

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

آل النبي ذريعتي وهم إليه وسيلتي

أرجو ابهم أعطى غدا بيدى اليمين صحيفتي ا

''آل نبی میرا ذریعہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف میرا وسیلہ ہے'' مجھے امید ہے کہ ان کے وسیلے سے مجھے قیامت کے دن نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔''

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام شافعی رضی اللہ عالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی' تو ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو تعجب ہوا' امام احمد نے فرمایا:

''امام شافعی کی مثال ایسی ہے جیسے لوگوں کے لیے سورج اور بدن کے لیے صحت۔'' ٢

توسل......اور ائمہ اعلام

مسئلہ توسل کے بارے میں علماء اسلام کے اقوال اور واقعات کو جمع کیا جائے تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو سکتی ہے' اختصار کے پیش نظر چند علماء اسلام کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۵۰۵ھ) آداب السفر میں فرماتے ہیں:

''سفر کی دوسری قسم میں انبیاء کرام علیہم السلام' صحابہ' تابعین اور دیگر علماء و اولیاء کے مزارات کی زیارت بھی داخل ہے' زندگی میں جس کی زیارت سے برکت

ا احمد بن حجر مکی (م ۹۷۴ھ): الصواعق المحرقۃ (مکتبۃ القاہرۃ' مصر) ص ۱۸۰

٢ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی: شواہد الحق (مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۱٦٦

حاصل کی جاسکتی ہے' وفات کے بعد بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے۔''[1]

امام ابن الحاج جو علمائے متشددین میں شمار ہوتے ہیں' انہوں نے اولیائے کرام' انبیائے عظام اور خصوصاً حضور سید الانام ﷺ سے توسل اور استغاثہ کا طریقہ شرح و بسط سے بیان کیا ہے درج ذیل میں ان کے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

اگر میت عوام الناس میں سے ہے تو اس کی قبر کی زیارت کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی جانب بیٹھ کر میت کی طرف رخ کرے' پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے' پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے' پھر جہاں تک ممکن ہو میت کے لیے دعا کرے:

''اسی طرح ان قبور کے پاس جا کر دعا کرے' جب زائر پر' یا دوسرے مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑائے کہ اس مصیبت کو زائر اور مسلمانوں سے دور فرما دے۔''[2]

مزید فرماتے ہیں:

''پھر اپنی حاجتوں کے بر آنے اور گناہوں کی مغفرت میں اولیاء کرام کا وسیلہ پیش کرے' پھر اپنے لیے' والدین' مشائخ اور اقرباء کے لیے' ان اہل قبور کے لیے اور زندہ و مردہ عام مسلمانوں اور قیامت تک آنے والی ان کی اولادوں کے لیے اور جو بھائی غائب ہیں' ان سب کے لیے دعا کرے۔

اور ان اولیاء کرام کے پاس کھڑا ہو کر عاجزانہ بارگاہ الٰہی میں دعا کرے اور کثرت سے ان کا وسیلہ پیش کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منتخب فرما لیا ہے

---

[1] ابو حامد محمد بن محمد غزالی' امام: احیاء علوم الدین (دار المعرفۃ' بیروت) ۲/۲۴۷

[2] ابن الحاج' امام: المدخل (دار الکتاب العربی' بیروت) ۱/۲۴۸

انکساری، فقر و فاقہ، حاجت و اضطرار اور فروتنی سے موصوف ہو، اپنے دل اور خیال کو ان کی بارگاہ میں حاضر کرے اور سر کی آنکھ سے نہیں، دل کی آنکھ سے ان کی زیارت کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ میں بوسیدگی اور تغیر پیدا نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد و ثناء کرے، انبیائے کرام پر درود بھیجے، ان کے اصحاب کے لیے رضائے الٰہی کی دعا کرے اور قیامت تک اصحاب کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے دعائے رحمت کرے، پھر اپنی حاجتوں کے بر آنے اور گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیائے کرام کا وسیلہ پیش کرے، ان کی بدولت امداد کی درخواست کرے اور اپنی حاجتیں ان سے طلب کرے اور یقین کرے کہ ان کی برکت سے دعا مقبول ہوگی اور اس سلسلے میں تمام تر حسن ظن سے کام لے، کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا دروازہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ جاری ہے کہ ان کے سبب اور ان کے ہاتھوں پر حاجتیں برلاتا ہے، جو شخص ان کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو سکے، وہ ان کی بارگاہ میں سلام بھیجے اور اپنی حاجتوں اور گناہوں کی مغفرت اور عیوب کی پوشیدگی وغیرہ کا ذکر کرے، کیونکہ یہ حضرات سادات کرام ہیں اور کریم حضرات سوال کرنے والے وسیلہ پکڑنے والے، قصد کرنے اور پناہ لینے والے کو رد نہیں کرتے۔"[1]

حضور سید الانبیاء ﷺ سے توسل اور امام ابن الحاج

"حضور سید الاولین والآخرین ﷺ کی زیارت میں مذکورہ بالا امور یعنی عاجزی، انکساری اور مسکنت میں کئی گنا اضافہ کرے، کیونکہ آپ وہ مقبول الشفاعت شفیع

---

[1] ابن الحاج، امام: المدخل، ص ۲-۲۵۱

ہیں جن کی شفاعت رد نہیں کی جاتی' آپ کا قصد کرنے والا آپ کے دربار میں حاضر ہونے والا آپ سے استعانت و استغاثہ کرنے والا محروم نہیں لوٹا جاتا' کیونکہ حضور اکرم ﷺ دائرہ کمال کے قطب اور ملک الٰہی کے دولہا ہیں۔'

جو شخص آپ کو وسیلہ پکڑتا ہے' آپ کے ذریعے مدد طلب کرتا ہے یا اپنی حاجتیں طلب کرتا ہے' وہ محروم نہیں کیا جاتا' مشاہدہ اور آثار اس پر شاہد ہیں' آپ کی زیارت میں کامل ادب کی ضرورت ہے' ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زائر یوں محسوس کرے کہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں' جیسے کہ آپ کی حیات ظاہرہ میں تھا' کیونکہ آپ کی موت اور حیات میں فرق نہیں ہے' آپ امت کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان کے احوال' نیتوں' ارادوں اور خیالات کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر ہے' اس میں کوئی خفا نہیں ہے۔'' [1]

ابھی امام ابن الحاج کی یہ عبارت گزری ہے:

''جو شخص کسی حاجت کا ارادہ کرے' وہ اولیائے کرام کے مزارات پر جائے اور ان کا وسیلہ پکڑے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔'' [2]

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''قِيْلَ اِذَا تَحَيَّرْ تُمْ فِي الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ'' [3]

''کہا گیا کہ جب تم مختلف امور میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے استعانت کرو۔''

---

[1] ابن الحاج' امام: المدخل' ج ۱' ص ۲۵۲

[2] ایضاً: " " ص ۲۴۹

[3] علی بن سلطان محمد القاری: شرح مسند امام اعظم (مطبع مجتبائی' دہلی) ص ۱۱۴

یعنی اہل قبور کے وسیلے سے دعا کرو' اللہ تعالیٰ مرادیں برلائے گا۔"

امام علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ سے توسل' استعانت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی درخواست جائز اور مستحسن ہے' اس کا جواز اور حسن' ان امور میں سے ہے جو ہر مومن کو معلوم ہے اور انبیاء و مرسلین' سلف صالحین' علماء اور عامۃ المسلمین کا طریقہ ہے' کسی دین والے نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی زمانے میں یہ انکار سنا گیا' یہاں تک کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے اس میں کلام کیا' ضعیف اور ناواقف لوگوں کے لیے تلبیس سے کام لیا۔"[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

"میرے آقا! اے اللہ کے رسول! آپ کی مدح میں کہے ہوئے میرے قصیدے شرافت والے ہو گئے ہیں۔"

"آج میں نے آپ کی نعت کہی اور کل مجھے آپ سے شفاعت کی امید ہے' وہاں مجھے بھی نظر میں رکھیے۔"

"بندۂ گنہگار نے آپ کا وسیلہ پکڑا ہے' اسے امید ہے کہ لغزشیں معاف فرمادی جائیں گی' خوف کے سبب اس کی پلکوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تقریباً ہر طبقے میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں' وہ فرماتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ نے مجھ پر اسرار ظاہر فرمائے اور مجھے خود ان چیزوں کی پہچان

---

[1] تقی الدین السبکی' الامام: شفاء السقام (مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد) ص ۱۶۰

[2] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی: المجموعۃ النبھانیۃ (دار المعرفۃ' بیروت) ۳۹۱/۲

کرائی اور میری بہت بڑی اجمالی امداد فرمائی اور مجھے بتایا کہ میں اپنی حاجتوں میں آپ سے کس طرح مانگوں۔''[1]

اپنے قصیدہ ''اطیب النغم'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

''پہلی فصل میں بطور تشبیب' زمانے کے وہ حوادث بیان کیے جاتے ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کی روح انور سے استمداد ضروری ہے۔''[2]

قصیدہ اطیب النغم میں عرض کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے' اے تمام مخلوق سے بہتر! اے بہترین امید! اور اے بہترین عطا فرمانے والے! اور اے بہترین وہ ذات کہ مصیبت دور کرنے کی جن سے امید کی جاتی ہے اور جن کی سخاوت بادلوں سے بلند و بالا ہے۔''

''آپ مصیبتوں کے وقت پناہ دینے والے ہیں' جب وہ اپنے بدترین پنجے دل میں گاڑ دیں۔''[3]

توسل......اور اہل حدیث کے مسلم علماء

اس سے پہلے جن اکابر علماء کے ارشادات نقل کیے گئے ہیں' ان کی حیثیت ہر مکتب فکر کے نزدیک محترم اور مستند ہے' ذیل میں خصوصیت کے ساتھ چند اقتباسات ان علماء کے پیش کیے جاتے ہیں' جن کی غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بڑی وقعت ہے۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: فیوض الحرمین (محمد سعید اینڈ سنز' کراچی) ص ۸۶

[2] ایضاً: اطیب النغم (مطبع مجتبائی' دہلی) ص ۲

[3] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: اطیب النغم (مطبع مجتبائی' دہلی) ص ۲۲

"دنیا و آخرت میں سعادت و فلاح صرف رسول اللہ گرامی کے ہاتھوں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ان ہی کے ہاتھوں ہے۔"[1]

ابن تیمیہ اپنے رسالہ "التوسل والوسیلة" میں لکھتے ہیں کہ صحابہ مہاجرین و انصار کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا صحیح اور اہل علم کے نزدیک بالاتفاق ثابت ہے، حضرت فاروق اعظم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگی:

"یہ وہ دعا ہے جسے تمام صحابہ نے برقرار رکھا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، حالانکہ یہ دعا مشہور ہے، یہ واضح ترین اجماع اقراری ہے، ایسی ہی دعا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مانگی تھی۔"[2]

قاضی شوکانی اپنے رسالہ "الدر النضید" میں لکھتے ہیں:

"حضور اکرم ﷺ سے توسل آپ کی حیات میں بھی ہے اور وصال کے بعد بھی، آپ کی بارگاہ میں بھی ہے اور بارگاہ سے دور بھی، حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ سے توسل، ثابت ہے، آپ کے وصال کے بعد دوسروں سے توسل باجماع صحابہ ثابت ہے۔"[3]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

"اے میرے آقا! اے میرے سہارے، میرے وسیلے، سختی اور نرمی میں میرے کام آنے والے۔"

---

1. ابن القیم الجوزیہ: زاد المعاد (مصطفیٰ البابی، مصر الطبعۃ الثانیہ) ۱/۱۵
2. محمد عبدالرحمن: تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ ۴/۲۸۲
3. محمد عبدالرحمن: تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ ۴/۲۸۲

''میں آپ کے دروازے پر اس حال میں حاضر ہوں کہ میں ذلیل ہوں' گڑگڑا رہا ہوں اور میری سانس پھولی ہوئی ہے۔'' ''آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے جس سے مدد مانگی جائے' اے رحمۃ للعالمین! میری آہ و پکار پر رحم فرمایئے۔''[1]

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

''جب کتاب وسنت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے' تو اس پر اولیاء کرام کے توسل کو قیاس کیا جائے گا' علامہ جزری ''حصن حصین'' میں فرماتے ہیں دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پیش کیا جائے۔''[2]

توسل......اور علمائے دیوبند

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اپنے قصائد قاسمی میں عرض کرتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار[3]
ثنا کر اُس کی' اگر حق سے کچھ لیا چاہے
تو اس سے کہہ اگر اللہ سے ہے کچھ درکار[4]
یہ ہے اجابت حق کو تیری دعا کا لحاظ
قضا و مبرم و مشروط کی سنیں نہ پکار[5]

مولوی رشید احمد گنگوہی سے پوچھا گیا کہ ان اشعار کا ورد کیسا ہے۔؟

---

[1] وحید الزمان' نواب: حاشیہ ہدیۃ المہدی (اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ) ص ۲۰
[2] ایضاً: ہدیۃ المہدی' ص ۴۸
[3] محمد قاسم نانوتوی: قصائد قاسمی (مکتبہ قاسمیہ ملتان) ص ۸
[4] محمد قاسم نانوتوی: قصائد قاسمی (مکتبہ قاسمیہ' ملتان) ص ۵
[5] ایضاً: " " " ص ۷

يَارَسُولَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا   يَاحَبِيْبَ اللّٰهِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اِنَّنِىْ فِىْ بَحْرِهَمٍّ مُّغْرَقٌ   خُذْيَدِىْ سَهِّلْ لَنَا اَشْكَالَنَا

يَااَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِىْ مَنْ اَلُوْذُبِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ایسے کلمات کو نظم یا نثر ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہے' کفر وفسق نہیں ہے۔[1]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کو لکھتے ہیں۔

''اے میرے مرشد! میرے مولیٰ! میری وحشت کے انیس'
میری دنیا کے' میرے دین کے اے جائے پناہ۔''
''اے میرے فریاد رسا! مجھ پر ترس کھاؤ کہ میں
آپ کی حُب کے سوا رکھتا نہیں کوئی توشۂ راہ۔''
''خلق فائز ہو شہا آپ سے اور میں حیران'
رحم کی ہادیٔ من اب تو ادھر کو بھی نگاہ''
''میرے سردار! خدا واسطے کچھ تو دیجئے'
آپ معطی ہیں میرے' میں ہوں سوالی للہ! ''

(یہ ترجمہ تذکرۃ الرشید کے حاشیہ سے لیا گیا ہے)[2]

---

[1] رشید احمد گنگوہی: فتاویٰ رشیدیہ (محمد سعید اینڈ سنز' کراچی) ص ۶۹

[2] محمد عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید (مکتبہ بحر العلوم' کراچی) ۱/۱۱۴

کیسے رہ جائے گی؟ ان سے اولیاء کرام' ان کے اعمال صالحہ اور دعا کرنے والے کے اپنے اعمال سے توسل' سب حق اور مشروع ہے' اس کا انکار وہ جاہل اور غبی ہی کرے گا جو راہ ہدایت اور مسلمانوں کے اجماع سے برگشتہ ہو' جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔''[1]

اس جواب پر جن علماء نے تصدیقی دستخط فرمائے ہیں' ان کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد نمر' خطیب جامع مسجد قادریہ' بغداد شریف

۲۔ مولانا نوری سیاب' امام جامع مسجد قادریہ' بغداد شریف

۳۔ مولانا رشید حسن' بغداد شریف

۴۔ مولانا محمد شیخ عبدالقادر' امام و خطیب مقام ابو شیخ' بغداد شریف

کلیۃ الشریعہ' بغداد شریف کے استاذ علامہ احمد حسن طٰہٰ فرماتے ہیں:

''ہر شے میں مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے' اس عقیدے کی بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام سے توسل میں شرعاً ہرگز کوئی مانع نہیں ہے' بلکہ شفاعت کی طرح توسل بھی توحید کے منافی نہیں ہے۔[2]

حماۃ شام کے جلیل القدر عالم مولانا محمد علی تحریر فرماتے ہیں:

''جب اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہے' حالانکہ یہ مخلوق ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ اعمال مقبول ہیں یا نہیں' تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کیوں جائز نہ ہوگا؟ جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر مخلوق سے افضل ہیں' اپنی ظاہری حیات میں بھی اور وصال کے بعد بھی' کیونکہ

---

[1] محمد عاشق الرحمٰن قادری: مجاہد ملت کا حرفِ حقانیت (مکتبہ الحبیب الہ آباد) ص ۴۲۔۴۰

[2] ایضاً: " " " ص ۴۶۔۴۴

آپ زندہ ہیں اور ہمارے اعمال آپ کے سامنے ہمیشہ پیش کیے جاتے ہیں' جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔''[1]

خطیب شام

حماۃ' شام کے علامہ عبدالعزیز طہماز مدرس وخطیب جامع سلطان فرماتے ہیں:

''جب شفاعت شرک نہیں ہے' تو وسیلہ بھی شرک نہیں ہے' کیونکہ ان دونوں کا ایک ہی مطلب ہے' وسیلہ کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک مقام رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے عبد مکرم پر احسان کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے مقام کی بدولت' جس بندے پر چاہتا ہے فضل فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ سورۂ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: ''وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا'' کیا انبیاء ورسل کے خاتم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز نہیں ہوں گے؟''[2]

حماۃ شام کے مفتی علامہ صالح النعمان' خطیب جامع مدفن لکھتے ہیں:

توسل کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے' بشرطیکہ عقیدہ صحیح ہو اور اجماع امت حجت شرعیہ ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو گی' بعض غالی وہابی جو دعویٰ کرتے ہیں کہ توسل شرک ہے' تو اس پر شرعی یا عقلی کوئی دلیل نہیں ہے۔''[3]

دمشق کی جامع النجارین کے امام' علامہ ابوسلیمان زبیبی نے مسئلہ توسل پر تفصیلی گفتگو فرمائی

---

[1] محمد عاشق الرحمٰن قادری: مجاہد ملت کا حرف حقانیت (مکتبہ الحبیب الٰہ آباد) ص ۴۲

[2] محمد عاشق الرحمٰن قادری: حرف حقانیت' ص ۵۲

[3] ایضاً " ص ۵۶

ندوۃ العلماء لکھنو

ندوۃ العلماء لکھنو کے ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ مولوی محمد برہان الدین نے شیخ ابوالحسن علی ندوی کے ایماء پر ایک استفتاء کے جواب میں یہ فتویٰ صادر کیا:

''انبیاء سے توسل کا عقیدہ رکھنا شرک نہیں ہے لہٰذا وسیلہ پکڑنے والا مشرک نہیں ہے' ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال صالحہ' نماز حج وغیرہ کو قبول فرمائے گا۔''[1]

دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے شیخ نظام الدین نے متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا:

''ان عبارتوں سے معلوم ہوا اور واضح ہوا کہ یہ لوگ نہ تو مشرک ہیں اور نہ ہی یہ فعل شرک ہے' ان کے روزے' نماز' حج' زکوۃ سب مثل دیگر مسلمانوں کے جائز و صحیح ہیں۔''[2]

شیخ عبدالعزیز باز

سعودی عرب کے ادارۂ بحوث اسلامیہ وافتاء کے رئیس شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے مولانا محمد عاشق الرحمٰن قادری الٰہ آباد کے استفتاء کے جواب میں ۲۰/ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ کو پہلے سے لکھا ہوا ایک جواب بھجوایا' جس میں اولیاء کرام سے توسل کی چار قسمیں بیان کی ہیں' جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

---

1. محمد عاشق الرحمٰن قادری: حرف حقانیت' ص ۱۶۲
2. ایضاً: " " ص ۱۶۸

1۔ زندہ ولی سے درخواست کی جائے کہ میرے لیے رزق کی وسعت' مرض سے شفا' یا ہدایت وتوفیق کی دعا فرمائیں' یہ جائز ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں' نبی اکرم ﷺ کی محبت واتباع اور محبت اولیاء کا وسیلہ پیش کیا جائے' یہ بھی جائز ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ سے انبیاء واولیاء کے جاہ ومنزلت کے وسیلہ سے دعا کرے یہ ناجائز ہے۔

4۔ بندہ اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہوئے نبی یا ولی کی قسم دے یا بحق نبیہ یا بحق اولیائہ کہے' تو یہ ناجائز ہے۔'' [1]

اس فتویٰ پر ادارۂ بحوث وافتا کے نائب الرئیس عبدالرزاق عفیفی اور بحوث وافتاء کمیٹی کے ارکان عبداللہ منیع اور عبداللہ بن غدیان کے دستخط ہیں۔

گزشتہ صفحات میں تیسری اور چوتھی قسم کا حکم' صحابہ کرام اور علماء اسلام کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے' اس جگہ صرف اس قدر کہنا ہے کہ نجدی علماء اور ندوۃ العلماء کے اراکین نے اپنے تمام تر تشدد کے باوجود ان قسموں کو صرف ناجائز کہا ہے' شرک قطعاً نہیں کہا

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مسئلہ توسل پر مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری مدظلہ کا ایک مبسوط اور مدلل عربی فتویٰ بھی ''حرف حقانیت'' میں شامل ہے جس میں بیسیوں مستند مآخذ کے حوالہ جات درج ہیں' یہ فتویٰ مکتبہ قادریہ' لاہور کی طرف سے اردو ترجمہ کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔ مکتبہ ایشیق' استنبول' ترکیا کی طرف سے ''التوسل'' کے نام سے عربی میں چھپ چکا ہے۔

سید یوسف سید ہاشم الرفاعی' کویت

حضرت شیخ سید احمد رفاعی کبیر قدس سرہ کی اولاد امجاد میں سے کویت کے معروف

[1] محمد عاشق الرحمٰن قادری: حرف حقانیت' ص ۲۰-۲۱۸

داؤدی نے ''شرح منہج'' میں نقل فرمایا۔''[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدی زروق رحمہ اللہ تعالیٰ 'محشی بخاری'' کا تذکرہ بڑے شاندار انداز میں کیا ہے' فرماتے ہیں:

''مختصر یہ کہ وہ عظیم الشان شخصیت ہیں جن کا مرتبہ بیان نہیں کیا جا سکتا' وہ محققین صوفیہ کے آخری بزرگ ہیں' جنہوں نے حقیقت و شریعت کو جمع کیا' بڑے بڑے علماء مثلاً شہاب الدین قسطلانی لقانی نے ان کی شاگردی پر فخر کیا۔

قصیدہ غوثیہ کے طریقہ پر ان کا قصیدہ ہے' جس کے چند شعر یہ ہیں:

☆ میں اپنے مرید کے بکھرے ہوئے حالات کو جمع کرنے والا ہوں' جب زمانے کی تندی اس پر کوئی مصیبت ڈھادے۔

☆ اگر تو تنگی' تکلیف اور وحشت میں ہے' تو یا زروق پکار میں فوراً آجاؤں گا''[2]

اگر ان اشعار کو مشرکانہ قرار دیا جائے' تو شاہ عبدالعزیز اور ان کی سند سے وابستہ لوگوں کا کیا حکم ہوگا؟ جو یہ اشعار دھوم دھام سے نقل کر رہے ہیں۔

صاحب درمختار کے استاذ علامہ خیرالدین رملی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''عامۃ المسلمین کا یا شیخ عبدالقادر کہنا ندا ہے' اور جب اس کے ساتھ شیئاً للہ کا اضافہ کیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و رضا کے لیے کسی شے کا مطالبہ ہے' اس کے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کو کفر قرار دینے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شے کا مطالبہ ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے اور سب

---

[1] ابن عابدین شامی' علامہ: ردالمحتار (احیاء التراث العربی' بیروت) ۳/۳۲۴

[2] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بستان المحدثین' فارسی/اردو (ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی) ص ۳۲۲

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''سلطان محمود غزنوی کے پاس حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جبہ مبارک تھا' سومنات کی جنگ میں ایک موقع پر خدشہ ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی' سلطان محمود غزنوی' اچانک گھوڑے سے اتر کر ایک گوشے میں چلے گئے اور وہ جبہ ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گئے اور دعا مانگی:

''یا الٰہا! اس جبے والے کے وسیلے سے ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما' جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا' درویشوں میں تقسیم کر دوں گا۔''[1]

اچانک دشمن کی طرف سے شور اٹھا اور تاریکی چھا گئی اور کافر آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور مختلف حصوں میں بٹ گئے' لشکر اسلام کو فتح حاصل ہو گئی' اس رات محمود غزنوی نے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا:

''محمود! تم نے دربار الٰہی میں ہمارے جبے کی قدر نہ کی' اگر تم چاہتے تو تمام کافروں کے لیے اسلام کی درخواست کرتے۔''

فقیہ جلیل حضرت علامہ ابن عابدین شامی ''کتاب اللقطۃ'' کے آخر میں ایک منہیہ (حاشیہ) میں فرماتے ہیں:

''حضرت زیادی فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اسے واپس فرما دے تو بلند جگہ کھڑا ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور نبی اکرم ﷺ پھر سیدی احمد بن علوان کی خدمت میں پیش کرے اور کہے سیدی احمد! اے ابن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی' تو میں آپ کا نام دفتر اولیاء سے خارج کر دوں گا' اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے وہ چیز واپس فرما دے گا' یہ علامہ اجہوری کا کلام مع اضافہ ہے جسے

---

[1] شیخ فرید الدین عطار: تذکرۃ الاولیاء فارسی (مطبع اسلامیہ لاہور) باب ۷۷، ص ۳۴۴

حضرت علامہ نے واضح طور پر بتا دیا کہ اس عقیدے میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں، نیز جب زندہ مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے، تو جو حضرات اگلے جہان میں جا چکے ہیں، ان کی قوت ادراک تو اور بھی بڑھ جائے گی۔

حضرت علامہ شیخ حسن العدوی الحمز اوی فرماتے ہیں:

''یہ جو بعض عوام کہتے ہیں یا سیدی فلاں! اگر آپ میری یہ مراد پوری کر دیں یا میرے مریض کو شفا دیں، تو آپ کے لیے میرے ذمے اتنی چیز ہے، تو یہ مانگنے کے طریقے سے بے خبری ہے (کہنا یہ چاہیے کہ اللہ فلاں بزرگ کے طفیل میری حاجت پوری فرما) لیکن اسے کفر قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ان لوگوں کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ولی میرے مقصد کو پیدا کرے گا، ان کی نیت تو یہ ہوتی ہے کہ اس ولی کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنائیں، کیونکہ جس کا وسیلہ پیش کیا جا رہا ہے، وہ ان کے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کا مقرب اور محبوب ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ اپنی گفتگو میں بار بار اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اے بارگاہ خدا میں پاکیزہ نفس والے! اپنے رب سے درخواست کریں کہ میرا لیہ مقصد پورا فرما دے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے، ولی صرف سبب اور وسیلہ ہے اور اس کا وسیلہ پکڑنے والا مردود نہیں ہوتا، کیونکہ محبوب اور مقرب کے سوال کو رد نہیں کیا جاتا۔

تو یہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کے قبیلے سے ہے کہ ''کئی پراگندہ بالوں والے، گرد آلود جن کا سرمایۂ حیات دو چادریں ہوں ایسے ہوتے ہیں کہ اگر قسم دے کر بارگاہ الٰہی میں کچھ عرض کریں، تو اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا ہے بعض عارفین نے فرمایا: ولی کی زندگی کی نسبت وصال کے بعد کرامت کا ظہور زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کا تعلق مخلوق سے منقطع ہو چکا ہے اور اس کی روح کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کا وسیلہ پیش کرنے والوں کی حاجتیں پوری فرما دیتا ہے۔''[1]

---

[1] الشیخ حسن العدوی الحمزاوی: مشارق الانوار، ص ۵۸

برداشت کرتے؟ ہرگز نہیں!

شیخ الاسلام شہاب الدین رملی کا عقیدہ ملاحظہ ہو:

''شیخ الاسلام رملی سے پوچھا گیا کہ عوام الناس جو مصیبتوں کے وقت یا شیخ فلاں وغیرہ کہتے ہیں' کیا مشائخ وصال کے بعد امداد فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اولیاء' انبیاء' صالحین اور علماء سے استغاثہ جائز ہے کیونکہ وہ وصال کے بعد بھی امداد فرماتے ہیں' جیسے اپنی حیات میں امداد فرماتے تھے' اس لیے کہ انبیاء کے معجزے اولیاء کی کرامتیں ہیں۔''[1]

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام مومنین جو آخرت کی طرف انتقال کر چکے ہیں اکثر وبیشتر زندوں کے احوال جانتے ہیں' اس سلسلے میں ان کے واقعات انتہائی کثرت کو پہنچے ہوئے ہیں' ایک احتمال یہ ہے کہ انہیں اس وقت علم ہو جب زندوں کے اعمال ان پر پیش کیے جائیں' اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے اور یہ چیزیں ہم سے مخفی ہیں۔

نبی صادق ﷺ نے خبر دی ہے کہ اموات پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں لہٰذا اس کا وقوع ضروری ہے' البتہ کیفیت معلوم نہیں ہے' اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے' اس حقیقت کے بیان کے لیے حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ ''مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' اور اللہ تعالیٰ کے نور کو کوئی چیز نہیں روک سکتی' یہ زندہ مومنوں کے حق میں ہے' ان مومنوں کا کیا عالم ہوگا جو دار آخرت میں ہیں؟[2]

---

1. الشیخ حسن العدوی الحمزاوی: مشارق الانوار (المطبعۃ الشرفیۃ' مصر) ص ۵۹
2. ابن الحاج' امام: المدخل ۱/ ۲۵۳

میں طریقہ شطاریہ صرف شیخ محمد غوث گوالیاری کے ذریعے سے رائج ہے، ورنہ ان سے پہلے یہ طریقہ زیادہ شہرت نہیں رکھتا تھا:

''اس فقیر نے جو خرقہ شیخ ابوطاہر کردی سے پہنا اور انہوں نے ''جواہر خمسہ'' کے اعمال کی اجازت دی۔''[1]

اس کے بعد دو سندیں بیان کیں، جو شیخ ابوطاہر سے شیخ محمد غوث گوالیاری تک پہنچتی ہیں، بعد ازاں فرماتے ہیں:

''یہ فقیر سفر حج میں جب لاہور پہنچا اور شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی کی، تو انہوں نے مجھے دعائے سیفی کی اجازت دی، بلکہ جواہر خمسہ کے تمام اعمال کی اجازت دی اور اپنی سند بیان کی، وہ اس زمانہ میں طریقہ احسنیہ اور شطاریہ کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔''[2]

جواہر خمسہ میں یہ عمل بھی ہے:

فتوح ابواب اقبال کے واسطے ہر روز (پانچ سو) بار پڑھے:

''نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّکَ فِی النَّوَائِبِ کُلُّ هَمٍّ وَ غَمٍّ سَیَنْجَلِی بِنُبُوَّتِکَ یَامُحَمَّدُ وَ بِوِلَایَتِکَ یَاعَلِیُّ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ'' [3]

یہ ورد کیا ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استعانت اور توسل ہے، اس میں اگر شرک کی کوئی بات ہوتی تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت کیں لیتے؟ حضرت شاہ صاحب اور ان کے مشائخ اس شرک کو

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: انتباہ (کتب خانہ علویہ رضویہ، فیصل آباد) ص ۱۵۸۔۱۵۷

[2] ایضاً: " " " ص ۱۵۸۔۱۵۷

[3] شاہ محمد غوث گوالیاری: جواہر خمسہ (دارالاشاعت، کراچی) ص ۴۵۳

اور عظیم المرتبت سکالر سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

''حاصل یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں اور وصال کے بعد اسی طرح باقی انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین سے توسل صحیح اور جائز ہے جیسے کہ گزشتہ احادیث سے ثابت ہوا' جو لوگ زندوں اور مردوں میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندوں سے توسل کی بعض قسمیں جائز ہیں' کیونکہ وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ زندہ تاثیر کر سکتے ہیں' مردے نہیں کر سکتے' حالانکہ ایجادی تاثیر اللہ تعالیٰ کے سوا مطلقاً کوئی بھی نہیں کر سکتا' رہا فائدہ دینا اور برکتیں عطا فرمانا اور انکی روحوں سے عادی استفادہ اور انکی روحوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس متوسل کے لیے فیض رحمت کا طلب کرنا' تو یہ جائز اور واقع ہے اور ہر خلل سے خالی ہے' زندوں اور وصال یافتہ حضرات میں فرق نہیں ہے۔''[1]

حضور سید الانبیا علیہ ﷺ سے قیامت کے دن توسل

امام علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''دوسری حالت' حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد قیامت کے میدان میں آپ کی شفاعت طلب کی جائے گی' اس پر اجماع ہو چکا ہے اور احادیث حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔''[2]

ارباب ولایت سے توسل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارے علاقے

---

1. السید یوسف السید ہاشم رفاعی: الرد المحکم المنیع (کویت ۱۹۸۴ء) ص ۸۶-۸۷

2. تقی الدین سبکی' امام: شفاء السقام (فیصل آباد) ص ۱۷۴

اس کے محتاج ہیں حالانکہ یہ مطلب کسی کے تصور میں بھی آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیم کے لیے ہے جیسے ارشاد ربانی ہے: ''فَاِنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ'' (الآیۃ) اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔[1]

صلوٰۃ غوثیہ

محبوب سبحانی، شہباز لامکانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ولی اور سرتاج اولیاء ہیں، ان کے وسیلے سے دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم نہیں رہتا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی تکلیف میں میرے وسیلے سے امداد کی درخواست کرے اس کی وہ تکلیف دور کر دی جائے گی، اور جو کسی مصیبت میں میرا نام پکارے اس کی مصیبت دور کر دی جائے گی، اور جو کسی حاجت میں میرا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے، اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی، اور جو شخص دو رکعتیں ادا کرے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، سلام کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجے، پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے، میرا نام لے اور اپنی حاجت بیان کرے، اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی۔''[2]

اس کے بعد یہ شعر پڑھے:

---

[1] خیر الدین رملی، علامہ: فتاویٰ خیریہ بر حاشیہ فتاویٰ حامدیہ (حاجی عبدالغفار قندھار) ۲/۲۸۲

[2] ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی الشطنوفی: بہجۃ الاسرار (مصطفیٰ البابی مصر) ص ۱۰۲

اَیُــذْرِکُـنِـی ضَیُمٌ وَّاَنْتَ ذَخِیْرِیْ
وَاُظْلَمُ فِیْ الدُّنْیَا وَ اَنْتَ نَصِیْرِیْ
وَعَارٌ عَلٰی حَامِیْ الْحِمٰی وَھُوَ مُنْجِدِیْ
اِذَا ضَلَّ فِیْ الْبَیْدَا عِقَالُ بَعِیْرِیْ ١

☆ ''کیا مجھ پر ظلم کیا جائے گا؟ جب کہ آپ میرا ذخیرہ ہیں اور کیا دنیا میں مجھ پر ستم کیا جائے گا؟ جب کہ آپ میرے مددگار ہیں۔

☆ حضور غوث پاک کے پشت پناہ ہوتے ہوئے اگر جنگل میں میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے' تو یہ بات محافظ کے لیے باعث عار ہے۔''

غور کیا جائے تو صلوٰۃ غوثیہ میں شرک کا کوئی پہلو نہیں نکلتا' کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو حکم فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ کر میرے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگو' انہوں نے دعا مانگی' تو ان کی بینائی بحال ہو گئی۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانے پر ایک صاحب نے دور عثمانی میں یہی عمل کیا تو ان کا مقصد بھی پورا ہو گیا' وہی طریقہ اس جگہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سیدنا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاجت بر آتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صلوٰۃ غوثیہ کا طریقہ خود سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے جسے علامہ علی بن یوسف اللخمی الشطنوفی پھر علامہ محمد بن یحییٰ التاذفی الحلبی (م ۹۶۳ھ) پھر حضرت ملا علی قاری ۲ اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۳ نے روایت کیا۔

---

۱ محمد بن یحییٰ التاذفی الحلبی' علامہ: قلائد الجواہر (مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۳۶
۲ علی بن سلطان محمد القاری' علامہ: نزہۃ الخاطر الفاتر' اردو ترجمہ (سنی دارالاشاعت' فیصل آباد) ص ۹۷
۳ عبدالحق محدث دہلوی' شیخ محقق: زبدۃ الاسرار (مطبع بکسلنگ کمپنی' ممبئی) ص ۱۰۱

اب اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ معاذ اللہ! حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرک کی تعلیم دی ہے' تو اس کی مرضی! لیکن جہاں تک روایت کا تعلق ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اسے جھوٹ قرار دینا بھی محض سینہ زوری ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی' حضرت علامہ شطنوفی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ امام ابوالحسن نورالدین علی' مصنف "بهجة الاسرار شریف" اعاظم علماء وائمہ قرأت واکابر اولیاء وسادات طریقت سے ہیں' حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صرف دو واسطے رکھتے ہیں' امام اجل حضرت ابو صالح نصر قدس سرہٗ سے فیض حاصل کیا' انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق نور اللہ مرقدہ سے' انہوں نے اپنے والد ماجد حضور پرنور سید السادات غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ "زبدة الآثار شریف" میں فرماتے ہیں:

"یہ کتاب "بهجة الاسرار" کتاب عظیم وشریف ومشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قرأت سے عالم معروف ومشہور اور ان کے احوال شریفہ کتابوں میں مذکور ومسطور:

امام شمس الدین ذہبی علم حدیث واسماء الرجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار اس جناب کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب "طبقات المقرئین" میں ان کے مدائح لکھے' امام محدث محمد بن محمد بن جزری مصنف "حصن حصین" اس جناب کے سلسلہ تلامذہ میں سے ہیں' انہوں نے یہ کتاب مستطاب "بهجة الاسرار شریف" اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند اجازت حاصل کی"۔[1]

---

[1] احمد بریلوی' اعلیٰ حضرت امام: انوار الانتباہ (مکتبہ نوریہ رضویہ گوجرانوالہ) ص ۱۵

انور شاہ کشمیری (دیوبندی) کہتے ہیں:

"اسی طرح قسطلانی نے نقل کیا ہے اور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔" [1]

اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندوں کو وسیلہ بنانے اور ان سے استعانت کا یہ وہ عقیدہ ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک سے آج تک جمہور امت اور ائمہ اسلام کے نزدیک مقبول اور معمول چلا آیا ہے' یہی عقیدہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا ہے' انہوں نے اپنی تصانیف میں دنیائے اسلام کے مسلم اور مستند علماء کے ارشادات اور قرآن و حدیث کے حوالے سے اپنے معتقدات کو پیش کیا ہے۔

مخالفین یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ بریلویوں کے خصوصی عقائد میں سے ہے اور اسی آڑ میں وہ اپنے فتوے جاری کر دیتے ہیں' انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ ذہنیت کا یہ عالم ہے کہ شدید سے شدید زبان استعمال کرنے کے باوجود ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے

"بریلویوں کے امتیازی عقائد وہی ہیں جو دین کے نام پر بت پرستوں' عیسائیوں' یہودیوں اور مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں' ائمہ اسلام اور ملت حنفیہ کے مجددین نے ان عقائد کے خلاف جہاد کیا' ان میں سے کچھ دور جاہلیت میں موجود تھے' ان کے خلاف قرآن اور حامل قرآن نے جہاد کیا۔

وہ عقائد کیا تھے؟ غیر اللہ سے استعانت وغیرہ" (ملخصاً) [2]

اب آپ ہی انصاف کریں کہ سلف صالحین کا تسلسل حق پر ہے یا یہ مخصوص فرقہ۔؟

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد و علیٰ آلہٖ واصحابہ أجمعین

---

[1] انور شاہ کشمیری: فیض الباری (مطبعہ حجازی' قاہرہ) ۶۱/۱

[2] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ' ص ۶۶

قرآن

ایک مکمل ضابطۂ حیات

مصنّف

پروفیسر فضل الٰہی رشک

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 7324948

داعیانِ اسلام کیلئے ایک راہبر کتاب

صحابہ کرام کا اسلوبِ دعوت و تبلیغ

پروفیسر محمد اکرم ورک

ایم فل علوم اسلامیہ

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (دستاویز) دربار مارکیٹ ۔ لاہور فون: 7324948

عقیدہ حیاتِ مسیح اور فتنہ مرزائیت

مصنف

ملک المدرسین سرمایہ اہلسنت

علامہ مولانا محمد مہر الدین رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ جمالِ کرم

9 - مرکز الاویس ○ دربار مارکیٹ ○ لاہور

ایمان افروز

حکایاتِ اولیاء

تالیف و ترتیب

علامہ مولانا محمد انور قریشی ہاشمی

مکتبہ جمالِ کرم لاہور

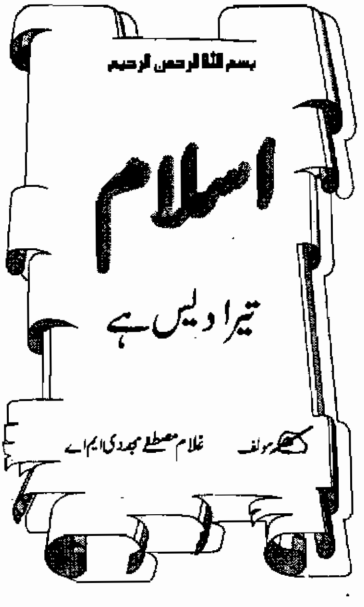

ذرّہ کے موضوع پر ایک منفرد تحریر

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (سنا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 7324948